الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

جولائی
2024ء

اقوال مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

❀ تمام امتی نبی ﷺ کے خادم اور مملوک و غلام ہیں۔ ❀ امت کا کوئی فرد نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ❀ حضور اقدس ﷺ کی خلقت کسی بشر کی خلقت کی طرح نہیں بلکہ عالم ممکنات کی کوئی چیز بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتی، کیوں کہ حضور ﷺ کو اللہ جل جلالہ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ ❀ عالم امکان کو (جو تحت الثریٰ سے عرش تک کی جملہ موجودات و کائنات کا محیط ہے) جس قدر بھی دقتِ نظر کے ساتھ دیکھا جاتا ہے حضور ﷺ کا وجود پاک مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ❀ اس کے اندر نظر آتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ اس بزم امکان سے بالاتر ہیں، اس لیے حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اس لیے محبت ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا رب ہے۔ ❀ حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کا فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی الحق و تبلیغ اسلام کی اجرت امت پر یہی قرار دی ہے کہ حضور ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیرِ سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبدالحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 49 شمارہ 7

جولائی 2024ء

محرم الحرام 1446ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : **مبارک حسین مصباحی**

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ	30 روپے
سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک)	300 روپے
سالانہ (بذریعہ رجسٹری)	600 روپے

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

25$ امریکی ڈالر — 20£ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

فہرست

نگارشات

اداریہ	اسلام میں شجر کاری کی اہمیت	مبارک حسین مصباحی	5
	مطالعۂ قرآن		
تفہیمِ قرآن	قرآنی تعلیمات اور مریضوں کے لیے خصوصی مراعات (۲)	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	9
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علماے دین؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	13
	نظریات		
فکر امروز	حجاب اور سیکولرازم کے درمیان تاجکستان	مہتاب پیامی	15
	اسلامیات		
شعاعیں	نہ نحوست نہ شامت ہے ماہِ صفر	ڈاکٹر سبطین رضا مرتضوی	17
	شخصیات		
انوار حیات	پیر سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ	غلام سرور لاہوری	20
	مولانا سید کفایت علی کافی شہید	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	24
	اساطین تصوف		
ذکر جمیل	سیدہ امِ کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مفتی محمد اعظم، مبارک پوری	29
	بزم خواتین		
چراغ خانہ	عہدِ حاضر میں خواتین کی ذمہ داریاں	حافظ افتخار احمد قادری	31
	بزم دانش		
فکر و نظر	حضرت مجدد الف ثانی کے معمولات اور تعلیمات	عابد چشتی/مفتی محمد اعظم، مبارک پوری	33
	ادبیات		
گوشۂ ادب	حسنِ تحسین حسن	پروفیسر محمد یاسر رضا باندوی	41
نقد و نظر	الادلۃ الباہرۃ فی کتابۃ الامیر معاویہ	سید صابر حسین شاہ بخاری قادری	46
	وفیات		
سفر آخرت	مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی	مولانا قاری محمد عرفان قادری	49
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	سید صابر حسین شاہ بخاری قادری		54
	سرگرمیاں		
عالمی خبریں	فلسطینیوں کے خلاف غذائی قلت کی مہم/غزہ میں نسل کشی روکنے کے لیے حماس کی عالمی برادری سے اپیل		56
خیر و خبر	گلبرگہ میں علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری کی آمد/غزہ میں مسجد عثمان بن عفان کی شہادت پر دعا کا اہتمام		57
	منظومات		
خیابان حرم	نعت و منقبت	عبد الوحید، مہتاب پیامی	58

اداریہ

اسلام میں شجر کاری کی اہمیت

مبارک حسین مصباحی

یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ انسانی دنیا کا ہے۔ یہ صرف اس دور کا بھی نہیں بلکہ ہر دور میں اس کی ضرورت واہمیت رہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ عہد حاضر میں انسانوں کی سوچوں کا معیار بدل گیا ہے۔ وہ ذاتی منفعت کے لیے قومی اور ملکی فوائد کو قربان کر دیتا ہے، سرسری طور پر ایک نظر آپ جنگلوں اور بنوں پر ڈالیں گورنمنٹ کے آفیسران اور ملازمین چند روپوں کے لیے چوری سے درخت کٹوانے اور وہاں سے بآسانی لکڑی کی سپلائی کے لیے انتظامات کر دیتے ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں تھوڑا بہت ہم بھی جانتے ہیں۔ اسی، اسی طرح باغ باغیچوں کو بھی خلافِ قانون صاف کرا دیا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ لوگ آج بھی درخت لگانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، مختلف اوقات میں گورنمنٹ بھی زور دیتی ہے، بہت سے سنجیدہ آفسران عملی طور پر ان مسائل کے حل کے لیے پیش قدمی کرتے ہیں اور بہت سی پارٹیاں بھی مختلف انداز سے درختوں کو لگانے کے لیے جدوجہد کرتی رہتی ہیں اور بڑی حد تک ماحولیات کو اپنے میزان پر قائم کرنے کے لیے عملی کارگزاریوں میں سرگرم رہتی ہیں۔

درخت ماحول کو درست رکھنے اور خوب صورتی بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ہمیں صاف ہوا فراہم کرتے ہیں۔ طوفانوں کا زور کم کرتے ہیں۔ آبی کٹاؤ کو روکتے ہیں، آب و ہوا کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں اور آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔ ایک درخت 36 ننھے بچوں کو آکسیجن فراہم کرتا ہے اور دو پورے خاندانوں کو، 10 درخت ایک ٹن ایئر کنڈیشنر جتنی ٹھنڈک مہیا کرتے ہیں۔ یہ درجہ حرارت کو بھی اعتدال و توازن بخشتے ہیں۔

درخت فضائی جراثیم اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ نیز انسانوں اور حیوانات کی غذائی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔ چرند، پرند اور متعدّد حیوانات کا مسکن بھی یہ درخت ہیں۔ ادویات کا مخزن ہیں، ادویہ کے لیے ان کی چھال، پتے، بیج، پھول اور پھل سب استعمال ہوتے ہیں۔ یہ درخت ہی ہیں جو لاکھوں سالوں کے عمل کے بعد کوئلہ میں تبدیل ہو کر توانائی کا وسیلہ بنتے ہیں۔

دورِ جدید کی سائنس و ٹکنالوجی نے جہاں انسان کی سہولت و آسانی کے لیے کثیر وسائل مہیا کیے ہیں، زندگی کے مختلف شعبہ جات میں انسان کو بام عروج پر پہنچا دیا ہے، وہیں اس کے لیے مختلف بیماریوں اور آفات کے سامان بھی فراہم کر دیے ہیں۔ صنعتی ترقی کے اس دور میں ہر طرف آلودگی چھائی ہوئی ہے۔ ہوا، پانی اور زمین پر دیگر حیاتیات اپنی خصوصیات کھو رہی ہیں۔ جن کی بقا کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ فضائی آلودگی، آبی آلودگی، زمینی آلودگی، صوتی آلودگی، سمندری آلودگی، تیزی سے بڑھتی فیکٹریاں، سڑکوں پر گاڑیوں کی لمبی قطاریں، فضائی اور بحری جہازوں کا دھواں، مختلف صنعتوں کے فضلات سے مسئلہ مزید پیچیدہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

درختوں کے گھنے جنگل کو قدرتی ”سک“ کہا جاتا ہے جو آس پاس کی ساری کاربن چوس لیتے ہیں۔ پہاڑوں پر پھیلے جنگلات لینڈ سلائیڈنگ کے خلاف مضبوط حصار ہوتے ہیں۔ یہ بارشوں کا بہت بڑا وسیلہ ہیں جن سے دھرتی کی آبیاری ہوتی ہے۔ یہی بارشیں موسمی اعتدال کا باعث بنتی ہیں۔ اللہ نے مخلوقات اور دیگر مظاہر کائنات کی تخلیق کو اس طرح مربوط کیا ہے کہ یہ سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری چلا آ رہا ہے۔

فراعنہ مصر کے ہاں رواج تھا کہ مرنے والا قبر کی دیوار پر اپنی نیکیوں کی اچھائی فہرست درج کراتا ایک بادشاہ نے تحریر کیا:

”میں نے درخت نہیں کاٹے ہیں، دریائے نیل کا پانی گندہ نہیں کیا ہے۔“

آج صورتِ حال یہ ہو چکی ہے۔ ڈیڑھ ارب لوگ زہریلی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی اقدار کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ درختوں سے دوستی چھوڑ دی ہے۔ ان پر بے دردی سے آریاں چلاتے ہیں۔ اس کٹھور پن پر پرندے بھی بے زبانی کو زبان دے کر پھڑ پھڑا اٹھتے ہیں۔

اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے۔ یہ زندگی کو تحفظ دیتا ہے۔ اس مذہب میں شجر کاری صدقہ جاریہ قرار دی گئی ہے۔ موجودہ سائنس شجر کاری کی جس اہمیت وافادیت کی تحقیق کر رہی ہے، قرآن واحادیث نے چودہ سو سال قبل ہی آگاہ کر دیا تھا۔ قرآن کریم میں مختلف حوالے سے شجر (درخت) کا ذکر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا خالق ہے، وہی سب کو رزق اور مختلف غذائیں عطا فرماتا ہے، آسمان سے اسی کے حکم سے پانی برستا ہے، زمینوں سے غلے اور پھل اسی کے اشارے سے پیدا ہوتے ہیں، جو حضرات اپنے ذرائع سے پانی کا اہتمام کرتے ہیں، ان جائز امور میں بھی مرضی مولا تعالیٰ شامل ہوتی ہے، آپ قرآن عظیم کی تلاوت کریں، اس کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی رازق اور مربی ہے۔ اب ذیل میں آپ چند آیات کے تراجم کا مطالعہ کریں۔

"وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔" (النحل:10-11)

ان آیات میں درختوں کو چوپایوں کی غذا اور انسانوں کی ضرورت بتایا ہے۔ ایک جگہ درختوں اور پودوں کے فوائد اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

"اور دیکھو، تمھارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں، اور درختوں میں، اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں، اپنے چھتے بنا"۔ (النحل:68)

اللہ نے درخت کا ذکر آگ کے حوالے سے کیا ہے:

"وہی جس نے تمھارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو۔" (یٰسٓ:۸۰)

ایک جگہ تمام مظاہر قدرت کو آرایش کائنات قرار دیا گیا ہے:

"واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔" (الکھف:7)

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نسل اور کھیتی باڑی کو تباہ کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔

"جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے، تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔۔ حالانکہ اللہ ﴿جسے وہ گواہ بنا رہا تھا﴾ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (البقرۃ:205)

ان کے علاوہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے شجر کاری کی افادیت، اہمیت اور فضیلت میں بہت سی آیات نازل فرمائی ہیں۔

احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شجر کاری کے حوالے سے واضح ہدایات ملتی ہیں۔

"جو مسلمان پودا لگاتا ہے اور اس سے انسان، چوپائے یا پرندے کھالیں تو یہ اس کے لیے قیامت تک کے لیے صدقہ ہے۔" (مسلم)

اس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم ہو رہی ہو اور کسی کو شجر کاری کا موقع ملے تو وہ موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ جنگ میں بھی قطع شجر کو ممنوع قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی روانگی کے وقت دیگر ہدایات کے ساتھ ایک ہدایت یہ بھی فرماتے تھے کہ:

''کھیتی کو نہ جلانا اور کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا۔''

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں باغبانی اور شجر کاری میں گہری دل چسپی دکھائی ہے، اسے علوم وفنون کی شکل دی اور دنیا میں فروغ دیا۔

ابن نمیر، عبدالملک، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس مسلمان نے کوئی پودا لگایا

تواس درخت سے جو کھایا گیاوہ اس کے لیے صدقہ ہے، جواس سے چوری کیا گیاوہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے، اور جو درندوں نے کھایاوہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے اور کوئی اسے کم نہیں کرے گا مگر وہ اس پودا لگانے والے کے لیے صدقہ کا ثواب ہوگا۔(صحیح مسلم، جلد:۲، حدیث نمبر:1475)

محمد بن حاتم، ابن ابی خلف، روح، ابن جریج، ابوزبیر، حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: پودا لگانے والا کوئی ایسا مسلمان نہیں اور کھیتی کرنے والا کہ اس سے درندے یا پرندے یا اور کوئی کھائے مگر یہ کہ اس میں اس لگانے والے کے لیے ثواب ہوگا۔(صحیح مسلم، جلد:۲، حدیث نمبر:1477)

ان دونوں روایات سے یہ واضح ہورہا ہے کہ ایک بندہ مومن جو درخت لگاتا ہے اس سے کوئی انسان، جانور، درندہ پرندہ یا چور بھی فائدہ اٹھائے، یہ درخت لگانے والے کے لیے بہر صورت صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک روئے زمین پر درخت موجود ہے لگانے والے کو اس کا اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

موسیٰ بن اسماعیل، جویریہ، نافع، حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خیبر (کی زمین) یہودیوں کو اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کام کریں اور کھیتی کریں اور اس کی پیداوار کا نصف لے لیں۔(بخاری شریف)

”عبد بن حمید، محمد بن فضل، ابونعمان، مہدی بن میمون، مطر الوراق، عطاء، حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا جس شخص کی زمین ہو اسے چاہیے کہ وہ اس میں کھیتی باڑی کرے اگر وہ کھیتی باڑی نہ کرے تو چاہیے کہ اپنے بھائی کو اس میں کھیتی کروائے۔

ان دونوں احادیث کا تقاضا ہے کہ اپنی کاشت کاری کی زمینوں کو خالی نہ چھوڑیں یا تو خود ان میں فصلیں لگائیں، اگر یہ نہ ہو سکے تو شرعی اصولوں کی روشنی میں اپنے مخالفین کو بھی دے سکتے ہیں یا اپنے مسلم بھائیوں کو مفت یا معاملات طے کر کے دے سکتے ہیں۔

حضرت یحیی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو جنگ کے لیے ملک شام بھیجتے وقت کہا: میں تم لوگوں کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں: (۱) کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ (۲) عورت کو قتل نہ کرنا۔ (۳) کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ (۴) پھل دار درخت کو نہیں کاٹنا۔ (۵) آباد شدہ مکان کو برباد مت کرنا۔ (۶) بکری اور اونٹ کے پیروں کو نہیں کاٹنا، ہاں کھانے کے لیے ذبح کر سکتے ہو۔ (۷) کھجور کے درختوں کو پانی میں نہ ڈبونا (۸) اور نہ ان کو جلانا۔ (۹) امانت میں خیانت نہ کرنا۔ (۱۰) اور میدان جنگ میں بزدلی نہ کرنا۔ (الموطا للامام مالک، کتاب الجھاد، حدیث:۱۰)

مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہے کہ اسلام جنگ کی حالت میں بھی پھل دار درختوں کو کاٹنے سے منع کرتا ہے اور جب جنگ کے دوران یہ احتیاط برتنے کا حکم ہے تو عام حالتوں میں کس قدر ان کی حفاظت کا حکم ہوگا؟ ان دس وصیتوں پر ذرا سنجیدگی سے غور کریں، اسلام کتنا پاکیزہ اور صاف ستھری فکر کا مذہب ہے۔

مصنف عبدالرزاق اور مجمع الزوائد کی حدیث ہے کہ بیری کے درخت کاٹنے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

”لعن الله قاطع السدر.“ (الف: مجمع الزوائد، 69/4، دار الکتاب العربی، بیروت.... ب: مصنف عبدالرزاق، 11/11، حدیث:19757)

مجمع الزوائد کے محشی نے اس حدیث کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے:

یعنی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں مکہ شریف یا مدینہ منورہ کے بیری کے درخت کاٹنے کی نہی ہے، کیوں کہ یہ دونوں حرم ہیں۔ اس کے کاٹنے کی ممانعت اس لیے آئی ہے تاکہ انسان کو اس سے انس اور سایہ نصیب ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے جنگل کا بیری کا درخت مراد، جس کے سائے میں مسافر آرام کرتے ہیں۔(حاشیہ مجمع الزوائد، 69/4)

حضرت عمرو بن عوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کو بیری کے درخت کو اجاڑتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا کہ ایسا مت کرو۔ کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بیری کے درخت کو (بلا وجہ) اکھاڑے، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر عذاب کی کھیتی کرے گا۔ اس لیے میں بیری کے درخت کو اکھاڑنے کو ناپسند کرتا ہوں، چاہے وہ کھیت میں ہو یا کسی اور جگہ۔

(مصنف عبدالرزاق، 11/12، حدیث:19758، المکتب الاسلامی، بیروت)

اس ارشادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ واضح ہو گیا کہ اسلام نے صرف پودے لگانے، پھل دار درختوں کی حفاظت کرنے اور کھیتی باڑی پر ہی زور نہیں دیا ہے بلکہ حرمین طیبین اور دیگر مقامات پر درختوں کے اکھاڑنے اور کاٹنے پر بھی سخت وعیدیں فرمائی ہیں۔

حضرت سلمان فارسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صحابہ کے ساتھ ایک جنازے کے لیے بقیع الغرقد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چادریں پہنی ہوئی تھیں۔ حضرت سلمان فارسی نے آپ کو سلام کیا اور آپ کی پشت پر مہرِ نبوت دیکھنے کے لیے آپ کے پچھلی طرف گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیچھے جاتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گئے یہ نشانی دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے دست مبارک سے چادر کا پلّو تھوڑا سا سرکا یا تا کہ مہر نبوت دیکھی جا سکے۔ اس پر حضرت سلمان فارسی کو مکمل تسلی ہوئی اور بے اختیار مہر نبوت کو چوم کر رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادھر آؤ اور آپ کو اپنے سامنے بٹھایا۔ آپ حضور ﷺ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے اور اپنی داستان سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مالک سے آزادی کا معاہدہ کرو۔ چنانچہ حضرت سلمان نے اپنے مالک سے کھجور کے تین سو درختوں کے باغ اور چالیس اوقیہ سونے پر معاہدہ کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ اپنے بھائی کی کھجوروں کے درختوں کے ساتھ مدد کرو۔ چنانچہ صحابہ نے پانچ پانچ اور دس دس کھجوروں کے پودوں سے مدد کی یہاں تک کہ کھجور کے تین سو درخت جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے واسطے کھالے کھودو مگر ان کو لگاؤ نہیں، یہاں تک کہ میں خود ان کو لگاؤں۔ چنانچہ صحابہ نے مل کر کھالوں کو کھودا۔ پھر حضرت سلمان فارسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے پودے لگاتے جاتے اور مٹی برابر کرتے جاتے۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔ حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! ان درختوں میں سے ایک بھی ضائع نہیں ہوا۔

شجر کاری کا ایک طریقہ جو کہ پوری دنیا میں بہت مقبول ہے، وہ فارم ہاؤس کی تعمیر ہے۔ ملک کے مختلف مقامات پر فارم ہاؤس تعمیر کیے جاتے ہیں جو کہ پوری طرح شجر کاری کا مظہر ہوتے ہیں۔ صنعتی شجر کاری کے تحت جنگلات کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

کامیاب شجر کاری کا ایک جدید طریقہ پر ماکلچر ہے جس میں سوراخ دار گھڑے کو گردن تک پانی سے بھر کر مٹی برابر کر کے دبا دیتے ہیں اور پھر گھڑے کے دائرے کے چار طرف (یا قطار میں) میں چار پودے لگا دیتے ہیں۔ چالیس دن میں گھڑا صرف ایک بار بھرنا ہوتا ہے۔ یہ دیسی ڈرپ اور یگیشن سسٹم پودے کو اپنی ضرورت کا پانی اس کی جڑ تک دیتا رہتا ہے اور چھ مہینے کے عرصے میں یہ پودا درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اب ان ارشادات اور اسلامی نقطۂ نظر کی روشنی میں ہم چند باتیں عرض کرتے ہیں:

(۱)- ابھی آپ نے مطالعہ فرمایا کہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزادی کا جو معاہدہ ہوا اس میں کھجور کے تین سو درخت لگانا بھی تھا کہ صحابہ کرام نے پانچ پانچ دس دس درختوں کا چندہ جمع فرمایا۔ پھر آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوش خبری سنائی، آپ نے فرمایا کہ آپ پودے لگانے کے لیے کھالے لگا دو اور پودے ہم لگائیں گے۔ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ان پودوں میں سے ایک بھی ضائع نہیں ہوا۔

اس روشنی میں عرض ہے کہ کوئی شخص کتنا بھی بڑا ہو جائے مگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر فخر کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیے، اس لیے کہ انسان کا کتنا بھی بڑا ہونا، زمین پر پودے لگانے کے منافی نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ددست مبارک سے تین سو پودے لگائے تو ان کے سامنے بڑے سے بڑے انسان کی حیثیت کیا ہے،

(۲)- پیرانِ طریقت کو چاہیے کہ مرید کرتے وقت اپنے مریدوں کو جو ہدایات عطا فرماتے ہیں ان میں پودے لگانے کی تلقین بھی کریں۔

(۳)- اعراس کے موقع پر مزارات پر بلا ضرورت چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان مریدوں کو پودے لگانے کی ہدایت بھی ہونی چاہیے۔

(۴)- مدارس کے اساتذہ اور طلبہ کو بھی چاہیے کہ کم از کم ایک ایک پودا لگائیں۔

(۵)- بچے کی پیدائش کے وقت ایک پودا لگانا چاہیے۔ (۶)- شادی کے موقع پر پودا لگانا چاہیے۔

(۷)- لڑکوں کے ختنہ کے وقت پودا لگانا چاہیے۔ (۸)- کسی کے انتقال پر بطور یادگار پودا لگانا چاہیے۔

بر وقت یہ چند مواقع ذہن میں آئے، ان کے سوا اور بھی بہت سے مواقع ہیں، جس پر ہم سب کو پودے لگانے کا اہتمام کرنا چاہیے اور یاد رہے کہ صرف پودا لگانا ہی کافی نہیں بلکہ ان کی حفاظت اور پانی وغیرہ کا انتظام بھی ضروری ہے۔ ▫▫▫

دوسری قسط

قرآنی تعلیمات
اور مریضوں کے لیے خصوصی مراعات

مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا کہ مریض کے لیے پانچ کام ضروری ہیں۔

1- اللہ کی طرف رجوع کرے، یعنی اللہ سے شفایابی کے لیے دعا کرے، اور اس کے فیصلوں پر راضی رہے۔

2- علاج و معالجہ کرے، یعنی اطبا سے رجوع کرے، مرض کی تشخیص کے بعد طبیب کی ہدایات کے مطابق دوا استعمال کرے۔

3- بیماری بلکہ صحت کے ایام میں بھی مضر صحت اشیا سے دور و نفور رہے، اور ہر نقصان دہ عمل سے پرہیز کرے۔

4- دوران علاج ہلکی اور نفع بخش غذا لیتا رہے۔

5- جہاں تک ہو سکے آرام کرے، اور احتیاط سے کام لے۔

جلد شفایابی کے لیے آرام ضروری ہے، اسی لیے رب کائنات نے مریض کی آسانی کے لیے تکلیفات شرعیہ میں تخفیف کی، اور اہم عبادات میں رخصت عطا فرمائی، جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

1- پانی سے نقصان ہو تو وضو و غسل کے بجائے تیمم کرے۔

2- کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر، بیٹھ کر پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔

3- مریض، مسافر اور مجاہدین اسلام کی سہولت کی خاطر قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، اور اسے نفل قرار دیا گیا۔

4- مرض کے باعث روزے پر قدرت نہ ہو تو ایام مرض میں روزہ افطار کرے اور صحت یاب ہونے کے بعد قضا کرے۔

5- حالت احرام میں کوئی بیماری لاحق ہو یا سر میں تکلیف ہو تو قبل از وقت حلق کر لے، اور فدیہ دے کر باقی مناسک حج ادا کرے۔

6- اندھے، لنگڑے اور بیمار کے لیے رخصت ہے کہ جہاد میں شرکت نہ کرے۔

اب آئیے! اجمال سے تفصیل کی طرف بڑھتے ہیں، اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک نے مریضوں کو کیسی مراعات عطا فرمائی ہے، اور ان کی صحت یابی کے لیے کس قدر سہولتیں فراہم کیں ہے۔

مریض کے لیے تیمم کی اجازت:

اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ [سورۂ مائدہ:6]

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ، اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور ٹخنوں سمیت پیر دھولو۔ اور اگر تمھیں جنابت لاحق ہو تو خوب پاکی حاصل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے، یا تم عورتوں سے ملاقات کرو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو، اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو، اللہ تمھارے لیے کوئی حرج نہیں چاہتا، لیکن وہ تمھیں پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

ان آیات مبارکہ کے مطابق نماز کے لیے وضو و غسل ضروری ہے، لیکن اگر کوئی مسافر ہو اور پانی دست یاب نہ ہو، یوں ہی کوئی بیمار ہو اور پانی نقصان دہ ثابت ہو تو ایسے شخص کے لیے حکم ہے کہ وضو و غسل کی جگہ تیمم کرے، مسافر و مریض کے لیے یہ رخصت اس لیے ہے کہ اللہ نے اپنے دین میں کوئی حرج اور مشقت نہیں رکھی، بندوں کو چاہیے کہ اللہ کا احسان مانیں اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

ان آیات میں تیمم کے جواز کے چار اسباب بیان کیے گئے ہیں،

مرض، سفر، رفع حاجت، اور قضائے شہوت، ان میں سب سے پہلے مرض کو ذکر کیا، جس سے مریض کے لیے خصوصی ہمدردی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مذکورہ بالا آیات میں قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ لفظ مرض کا ذکر کرکے اس حقیقت کی اشارہ کردیا کہ تیمم کے جواز کی اصل وجہ مرض ہے، اور اسی پر سارے احکام کا دارومدار ہے، اسی لیے جہاں مرض یا مرض کا قوی امکان ہو وہاں وضو وغسل کے لیے رخصت ہوگی، اور تیمم کی اجازت ہوگی، اس سلسلے میں بعض تفریعات پیش خدمت ہیں:

1- تیمم کا اصل سبب مرض ہے، اسی لیے مریض کو بہر حال تیمم کی اجازت ہوگی، چاہے مرض قدرتی اسباب کی بنیاد پر ہو یا بندے کی بے احتیاطی کے سبب ہو، یوں ہی مریض مسافر ہو یا مقیم، مرد ہو یا عورت بہرحال تیمم کی اجازت ہوگی۔

2- مریض کے لیے تیمم کے جواز کی بنیادی وجہ پانی کے استعمال سے ہونے والا نقصان ہے، لہٰذا اگر کوئی بیمار ہو اور اسے پانی سے کسی قسم کا نقصان نہ ہو تو اس کے لیے تیمم جائز نہیں ہوگا، اسی لیے سر درد، پیٹ درد وغیرہ تکالیف میں تیمم کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ ایسے امراض میں پانی نقصان دہ نہیں ہوگا، یوں ہی ٹھنڈے پانی سے نقصان ہو، اور گرم پانی سے نہ ہو، اور مریض کو گرم پانی دست یاب ہو تب بھی تیمم کی اجازت نہیں ہوگی۔

2- پانی سے نقصان پہنچنے کی متعدّد صورتیں ہو سکتی ہیں، اور ہر صورت میں تیمم کی اجازت ہوگی، جن میں بعض صورتیں یہ ہیں:

* مریض کو پانی کے استعمال سے نقصان پہنچے تو تیمم کی اجازت ہوگی، یہی صورت نص قرآنی میں مذکور ہے۔

* مریض کو پانی کے استعمال سے نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہو، یا دیر میں صحیح ہونے کا گمان غالب ہو تب بھی تیمم کی اجازت ہوگی، کیوں کہ اندیشۂ مرض بھی مرض کے ساتھ ملحق ہوگا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا:

خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، فَاحْتَلَمَ، فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ قَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ، فَاغْتَسَلَ وَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذَلِكَ، قَالَ: قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، أَلا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا وَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُعَصِّرَ أَوْ يُعَصِّبَ، شَكَّ مُوسَى، عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا، وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ. (سنن أبو داؤد، جلد اول، ص:93، كتاب الطهارة باب في المجروح يشيم)

یعنی ایک دفعہ ہم سفر میں نکلے، ہم میں ایک صاحب کو پتھر لگا، جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا، پھر انھیں نہانے کی حاجت پیش آگئی تو انھوں نے اپنے رفقائے سفر سے پوچھا: کیا میرے لیے تیمم کی اجازت ہے؟ تو ساتھیوں نے جواب دیا: ہماری نظر میں آپ کے لیے کوئی رخصت نہیں ہے، کیوں کہ آپ کے پاس پانی ہے، اور آپ کو اس پر قدرت بھی حاصل ہے، تو انھوں نے غسل کر لیا، جس سے ان کا انتقال ہو گیا، پھر جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کو ان کا واقعہ بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے ساتھیوں نے اسے مار ڈالا، اللہ ان کا بھلا نہ کرے۔ فرمایا: نہیں معلوم تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ لاعلمی کا علاج سوال ہے۔ (پھر حکم بیان کیا کہ) ایسے مریض کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ تیمم کرے اور زخم پر پٹی باندھ لے، اس پر مسح کرے، اور باقی بدن دھولے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بیمار ہو، پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جانے یا دیر سے صحیح ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو اس کے لیے تیمم کی اجازت ہے۔

* سردی کے موسم میں پانی کے استعمال سے ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے بھی تیمم کی اجازت ہوگی، خواہ وہ صحت مند ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ صحت کی حفاظت ضروری ہے، اور شریعت کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ خود کو ہلاکت یا تکلیف میں ڈال دے۔ حضرت عمرو بن عاص سے مروی ہے، فرمایا:

لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَامَ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ: احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ شَدِيدَةِ الْبَرْدِ، فَأَشْفَقْتُ إِنِ اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ، فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِي صَلَاةَ الصُّبْحِ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: يَا عَمْرُو! صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ، قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ شَدِيدَةِ الْبَرْدِ، فَأَشْفَقْتُ إِنِ اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ، وَذَكَرْتُ قَوْلَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا فَتَيَمَّمْتُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ، فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا.

(مسند أحمد بن حنبل، ج:29، ص:345)

رسول اللہ ﷺ نے انھیں غزوۂ ذات السلاسل کے سال بھیجا، تو ایک سرد رات میں انھیں نہانے کی حاجت پیش آگئی، فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں غسل کرلوں تو ہلاک ہو جاؤں گا، تو میں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھائی، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ سے سارا واقعہ بیان کر دیا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے حالت جنابت میں نماز پڑھادی؟ میں عرض کی! ہاں یا رسول اللہ! مجھے غسل کی حاجت پیش آگئی، اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں غسل کرلوں تو ہلاک ہو جاؤں گا، اور اللہ نے فرمایا: خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک تم پر اللہ مہربان ہے، تو میں نے تیمم کیا اور نماز ادا کرلی، تو رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا، اور مزید کچھ نہیں فرمایا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ سخت جاڑے میں پانی سے ضرر کا قوی اندیشہ ہو تو بیمار اور صحت مند دونوں کے لیے تیمم کی اجازت ہے۔

2- اگر کوئی بیمار ہو، اور اسے پانی سے نقصان نہ ہو، لیکن جسم کی حرکت یا پٹی پر پانی بہانے سے نقصان ہو تو اس کے لیے بھی وضو وغسل میں رخصت ہوگی، کیوں کہ ایسے مریض کے لیے بلا واسطہ نہ سہی، بالواسطہ پانی نقصان دہ ہے، لہٰذا تیمم کی اجازت ہوگی۔

3- اگر کوئی بیمار ہو، اور اسے وضو کرنے پر قدرت نہ ہو، اور کوئی وضو کرانے والا بھی نہ ہو تو اس کے لیے تیمم کی اجازت ہوگی، کیوں کہ ایسا مریض پانی پر قدرت نہ پانے والے مسافر کی طرح ہے جس کے لیے تیمم کی اجازت ہے۔

یہاں ہم نے تیمم کے چند احکام بیان کیے، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے مریضوں کو کتنی مراعات عطا کی ہے، مزید تفصیل کے لیے حدیث وفقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

مریض کو بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز ادا کرنے کی اجازت:

نماز میں قیام فرض ہے، لیکن اگر کوئی بیمار ہے اور کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو اسے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، اور اگر کوئی اتنا مریض ہے کہ بیٹھ کر بھی ادا نہیں کر سکتا تو اسے لیٹے لیٹے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، فرمایا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

[سورۂ آل عمران:190-191]

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور دن ورات کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب عبث نہیں بنایا، تیرے لیے پاکی ہے، تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ان آیات بینات میں اللہ وحدہ لاشریک نے ان لوگوں کی مدح فرمائی جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں، مظاہر قدرت میں غور کرتے ہیں، اور اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں، ان آیات کے مضمون اور سیاق وسباق سے واضح ہے کہ ان آیات میں ذکر سے مراد ذکر قلبی اور لسانی ہے، اور ان آیات میں ان تمام بندوں کی تعریف ہے کہ جو ہر حال میں ہر طرح سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، لیکن انھی عمومی احوال میں ایک حالت نماز کی بھی ہو سکتی ہے، اسی لیے بعض کتب تفاسیر میں اس آیت کے تحت بیمار کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے، امام رازی فرماتے ہیں:

والقول الثاني : أن المراد من الذكر الصلاة، والمعنى أنهم يصلون في حال القيام، فان عجزوا ففي حال القعود، فان عجزوا ففي حال الاضطجاع، والمعنى أنهم لا يتركون الصلاة في شيء من الأحوال، والحمل على الأول أولى لأن الآيات الكثيرة ناطقة بفضيلة الذكر. (تفسير رازي متعلقه آيت)

یعنی اس آیت کے سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں، کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر، بیٹھنے پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کرتے ہیں، یعنی وہ کسی بھی حال میں نماز ترک نہیں کرتے۔ اس آیت میں ذکر کو معنی عام پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ ذکر کی فضیلت میں بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔

بہر حال اس آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کریم کے مطابق بندہ اس بات کا مکلف ہے کہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرے، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اپنے رب کا ذکر کرتا رہے، جب مطلق

ذکر کی اتنی تاکید ہے، اور اس میں اس درجہ رخصت ہے تو فرض نماز کے لیے رخصت کیوں کر نہیں ہوگی، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے بواسیر کی شکایت تھی تو میں نبی کریم ﷺ نماز کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب.

کھڑے ہو کر نماز پڑھو، کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ بھی نہیں سکتے تو لیٹ کر پڑھو۔

اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جن میں مریض کو بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی رخصت دی گئی ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں مریضوں اور معذوروں کو نمازوں کے معاملے میں بھر پور رخصت دی گئی ہے، اور انھیں ان کی طاقت واستطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔

مریضوں کی خاطر قیام اللیل میں تخفیف:

قرآن کریم حقوق انسانی کا سب سے عظیم محافظ ہے، اسی لیے اس نے بیان احکام میں مریضوں، معذوروں اور مسافروں کی مکمل رعایت کی ہے، بلکہ بعض مقامات پر محض ان ضرورت مندوں کی خاطر سب کے لیے تخفیف کی گئی ہے، جیسا کہ ابتداے اسلام میں قیام اللیل کی فرضیت پھر اس کی منسوخیت کے واقعے میں ہے، اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ ۔[سورہ مزمل:20]

یعنی آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ کبھی دو تہائی کے قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں، اور یہی حال آپ کے ساتھ موجود کچھ صحابہ کا ہے، اللہ دن ورات کا حساب رکھتا ہے، اس نے دیکھ لیا کہ تم وقت کا حساب نہیں رکھ سکتے، تو اس نے تمھیں درگزر کر دیا، تو جتنا ہو سکے قرآن پڑھو، اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ بیمار ہوتے ہیں، کچھ رزق کی تلاش میں زمین میں پھیل جاتے ہیں، اور کچھ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، تو جتنا ہو سکے قرآن پڑھو، نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور اللہ کو قرض حسن دو، اور تم اپنے لیے جو بھی نیکی آگے بھیجو گے اسے بہتر اور زیادہ اجر کے ساتھ پاؤ گے، اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ابتداے اسلام میں رات کے معتد بہ وقت میں قیام فرض تھا، لیکن صحابہ کرام کے لیے رات کے مقررہ اوقات میں کامل طور پر عبادت دشوار تھی تو اللہ نے وقت کی تحدید ختم فرمادی، اور مطلقاً قیام اللیل کی فرضیت کو باقی رکھا، فرمایا:

عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ

اس نے دیکھ لیا کہ تم وقت کا حساب نہیں رکھ سکتے، تو اس نے تمھیں درگزر کر دیا، تو جتنا ہو سکے قرآن پڑھو۔

لیکن بعض مواقع پر یہ بھی دشوار ثابت ہوتا تھا، کیوں کہ کبھی کسی کی طبیعت متاثر رہتی، کسی کو سفر درپیش ہوتا، کسی کے سامنے فریضہ جہاد کی ادائیگی ہوتی، ظاہر سی بات ہے کہ ان تمام امور کی انجام دہی کے ساتھ قیام اللیل کافی پر مشقت ہوگا، اسی لیے اس کی فرضیت کو منسوخ کر دیا، اور اس کی جگہ نماز پنج گانہ کو فرض قرار دیا گیا، فرمایا:

عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ

اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ بیمار ہوتے ہیں، کچھ رزق کی تلاش میں زمین میں پھیل جاتے ہیں، اور کچھ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، تو جتنا ہو سکے قرآن پڑھو، نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور اللہ کو قرض حسن دو۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہوگا کہ قیام اللیل کی مشقت اور تحدید اوقات کی دشواریوں کے پیش نظر پہلے قیام اللیل میں اوقات کی پابندی منسوخ ہوئی، پھر بیماروں، تاجروں اور جہاد میں شرکت کرنے والوں کی ضرورتوں کے پیش نظر سب سے قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، اور نماز پنج گانہ کو فرض قرار دیا گیا، اس طرح قرآن کریم نے مریضوں کو ہر ممکنہ طریقے پر سہولت عطا فرمائی۔ (جاری)

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

آپ کے مسائل

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

مفتی اشرفیہ
محمد نظام الدین رضوی
کے قلم سے

کیا حضور ﷺ سے دعا مانگنا ثابت ہے؟

سوال: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے شجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ہے چناں چہ فرماتے ہیں:

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
یا رسول اللہ کرم کیجے خدا کے واسطے

تو کیا کسی حدیث سے یا اسلاف سے حضور سے دعا مانگنا ثابت ہے؟

جواب: دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا جاتا ہے۔ اور مدد مانگی جاتی ہے اس کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے، اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اور سلف و خلف سے بھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ میں یہاں اس شعر کے ثبوت میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔

صحابیِ رسول حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ اسی دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا صحابی آئے اور آنکھوں کی روشنی کے لیے عرض کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جاؤ، وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دعا کرو:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) يَا مُحَمَّدُ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَىٰ رَبِّي فِي حَاجَتِي هَٰذِهِ لِتُقْضَىٰ لِي، اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا اور تیری رحمت والے نبی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں حضور کے وسیلے سے اپنی اس حاجت کے سلسلے میں اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روائی ہو، اے اللہ، حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی)

حصن حصین کی بعض روایتوں میں لِتَقْضِيَ لِيْ صیغۂ معروف سے واقع ہے، تو معنی ہوگا: یا رسول اللہ، میں آپ کے وسیلے سے خدا کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ آپ میری حاجت روائی کردیں۔"

(حصین حصین)

حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم ابھی بارگاہ رسالت سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کررہے تھے کہ وہ نابینا صحابی ہمارے پاس آئے ایسا لگتا تھا کہ وہ کبھی اندھے ہی نہ تھے۔

اس حدیث کے الفاظ میں آپ غور فرمائیں گے تو عیاں ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے شجرے کے اُس شعر سے اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے، انھوں نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔

یہ حدیث پوری تفصیل اور حوالوں کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم رسالہ انہار الأنوار من یتم صلاۃ الأسرار میں نقل کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:3، ص:530، سنی دار الاشاعت مبارک پور و رضا اکیڈمی ممبئی)

اجماع کی حقیقت کیا ہے؟

سوال: اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس زمانے میں اجماع ہو سکتا ہے؟ اور امر اجماعی پر جو مسئلہ متفرع ہوگا وہ اجماعی ہوگا کہ نہیں؟

جواب: اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ اجماع یہ ہے کہ ایک وقت میں ساری دنیا میں جتنے فقہائے مجتہدین پائے جاتے ہیں وہ سارے فقہائے مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کرلیں، اسی اتفاق کا نام اجماع ہے۔ اس کی حجیت کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ عہد صحابہ میں مجتہدین محدود

تھے، پوری دنیا میں پھیلے ہوئے نہیں تھے۔ مدینہ شریف اور آس پاس کی بستیوں اور شہروں میں وہ آباد تھے۔ اور ان کی تعداد، سب کے نام اور پتے کے ساتھ معلوم تھی۔ وہ کل بیس، اکیس صحابۂ کرام تھے۔ جب کسی مسئلے پر اتفاق ہو جاتا تو سب کو معلوم ہو جاتا کہ اجماع ہو گیا ، پھر اسلام پھیلا تو جہاں تک پھیلا وہاں تک لوگوں کو معلوم تھا کہ فلاں جگہ پر ایک فقیہ مجتہد ہیں، فلاں جگہ پر دو ہیں، فلاں جگہ پر تین۔ سارے فقہائے مجتہدین معلوم تھے اس لیے کسی ایک مسئلے میں ان مجتہدین کا موقف کیا ہے سب کو معلوم رہتا تھا کسی کا اختلاف ہوتا تو مسئلہ مختلف فیہ مانا جاتا اور اور اتفاق ہوتا تو اجماعی کہلاتا۔

دوسری صدی ہجری میں بھی کوشش کر کے اجماع کی تحقیق کر لی گئی لیکن دوسری صدی کے بعد اسلام دنیا کے کثیر علاقوں میں پھیل گیا تو فقہ و علم دنیا کے بے شمار علاقوں میں پھیل گئے، علما اور مجتہدین کی کثرت ہو گئی تو اب پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ پوری دنیا میں فقہا کہاں کہاں ہیں؟ کس شہر میں کتنے ہیں؟ کس مسئلے میں کس کا کیا موقف ہے، نہ سب کو جمع کر سکتے تھے اور نہ سب کی رائے معلوم کر سکتے تھے۔ تو ایسی صورت میں بھی کیسے پتہ چلتا کہ فلاں، فلاں مسئلے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے یا اتفاق؟ اس لیے محققین نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ اب اجماع اور اتفاق نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”دو صدی کے بعد اجماع کے علم و ادراک کی کوئی راہ نہ رہی، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”من ادعی الإجماع علی أمر فهو كاذب“ اب کسی امر دینی پر کوئی اجماع کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے کیوں کہ علما کے شرق و غرب میں پھیل جانے کی وجہ سے ان کے احوال و اقوال کا بخوبی علم نہیں ہو سکتا۔“

یہ مجدد اعظم کی تصریحات کا خلاصہ ہے اور آپ نے یہ انکشاف مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت کے حوالے سے کیا ہے۔ اور اس کے بعد جب اسلام اور پھیل گیا یہ دشواری اور بڑھ گئی، اگر آج کے زمانے میں اس کی جواب یہ دیا جائے: ”ارے صاحب اب تو موبائل کا زمانہ ہے، گھنٹی بجائیے اور آدھے گھنٹے کے اندر ساری دنیا سے رابطہ ہو جائے گا، سب کی رائے معلوم ہو جائے گی۔“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں کتنے مجتہد ہیں، علما بہت پہلے اعلان کر چکے ہیں کہ اہل اجتہاد میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔

وفي الخلاصة : ليس احد من اهل الاجتهاد في زماننا . (فواتح الرحموت، ج:2، ص:433، خاتمہ)

جب مجتہد کوئی باقی نہیں رہا اور مجتہدین کا اتفاق کرنا ہی اجماع ہے تو اگر آپ سارے علما کے نام پتے بھی جان جائیں سب کے فون نمبر اور کوڈ نمبر بھی حاصل کر لیں اور سب سے آپ کا رابطہ ہو جائے سب کی زبان بھی سمجھ جائیں تو بھی اجماع کہاں ہوا؟ علما کا اتفاق کرنا اجماع نہیں ہے، فقہائے مجتہدین کا اتفاق کرنا اجماع ہے۔

اجماع الگ چیز ہے، اتفاق الگ چیز ہے، ان دونوں کے اندر فرق ہے، ان دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے، یہ فرق سمجھنے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مذی، منی اور ودی میں فرق

سوال: مذی، منی اور ودی میں کیا فرق ہے؟

جواب: پیشاب کرنے سے پہلے یا اس کے بعد سفید رنگ کی جو چکنی رطوبت نکلتی ہے اسے ودی کہتے ہیں۔ اور بیوی سے چھیڑ چھاڑ کے وقت یا جنسی خواہش پیدا ہونے کے بعد آلۂ تناسل کے انتشار سے جو چکنا سفید مادہ پیشاب کے راستہ سے خارج ہوتا ہے اور رقیق و پتلا ہوتا ہے وہ مذی ہے۔ اور گاڑھی چکنی، سفید رطوبت جو جماع کی وجہ سے سوتے یا جاگتے میں نکلے یا بے خوابی کی صورت میں نکلے، جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ منی ہے۔ یہ مادہ اچھلتے اور کودتے ہوئے باہر آتا ہے اس کے نکلنے سے مستی اور کمزوری محسوس ہوتی ہے جب کہ ودی اور مذی کے نکلنے سے کوئی سستی اور کمزوری محسوس نہیں ہوتی۔ عورت کی منی پتلی و رقیق ہوتی ہے، منی کے نکلنے سے مرد و عورت ہر ایک پر غسل واجب ہوتا ہے بر خلاف مذی اور ودی کے کہ یہ صرف ناقضِ وضو ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کھڑے ہو کر وضو کرنا

سوال: کھڑے ہو کر وضو کرنا کیسا ہے؟

جواب: وضو تو ہو جائے گا مگر کھڑے ہو کر وضو کرنا خلافِ سنت ہے جہاں مجبوری ہو مثلاً کوئی ٹرین میں ہے اور وہاں بیٹھ کر وضو کرنا دشوار ہے تو اس صورت میں معاف ہے لیکن جہاں مجبوری نہ ہو وہاں بیٹھ کر، قبلہ رو ہو کر بسم اللہ پڑھ کر اور نیت کر کے سنت کے مطابق وضو کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ◘◘◘

فکر و نظر

حجاب اور سیکولرزم کے درمیان
تاجکستان

مہتاب پیامی

گذشتہ 19 جون 2024 کو وسط ایشیا کے مسلم اکثریتی ملک تاجکستان کی پارلیمنٹ نے حجاب اور برقع جیسے اسلامی لباس پر پابندی عائد کرنے والا متنازعہ قانون پاس کیا ہے۔ یہ خبر 20 جون کو دنیا بھر کے سرکردہ اخباروں اور میڈیا نے شائع کی۔ اس قانون کی وجہ سے اس وقت پورے تاجکستان میں ہنگامہ برپا ہے۔ سوویت یونین سے الگ ہوا تاجکستان مسلم اکثریت والا ملک ہے اور اس کی سرحد طالبان حکمراں افغانستان سے جڑی ہوئی ہے۔ ایسے میں اس بات کا اندیشہ زیادہ ہے کہ وہاں حجاب اور برقع پہننے پر پابندی لگائے جانے سے تنازعہ بڑھے گا، کیونکہ پڑوسی ملک افغانستان میں خواتین کے لیے حجاب لازمی ہے۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق تاجکستانی پارلیمنٹ کے ایوان بالا مجلس ملی' نے 19 جون کو یہ بل پاس کیا۔ اس بل میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دوران بچوں کے غیر ملکی لباس پہننے پر بھی پابندی کا التزام ہے۔ پارلیمنٹ کے ایوان زیریں 'مجلس نمائندگان' نے 8 مئی کو ہی اس بل کو پاس کر دیا تھا جس کے بعد یہ ایوان بالا میں گزشتہ دنوں پیش ہوا۔ اس بل میں برقع اور حجاب جیسے غیر ملکی لباس کو پہننے پر روک لگانے کی سفارش کی گئی تھی۔

اس بل پر بحث کے دوران تاجکستان کی پارلیمنٹ میں کہا گیا کہ برقع، جو خواتین کے چہرے کو چھپاتا ہے، تاجک روایت یا تہذیب کا حصہ نہیں ہے۔ اس لیے غیر ملکی لباس پر تاجکستان میں پابندی عائد کی جاتی ہے۔ صدر رستم ایمومالی کی صدارت میں پارلیمنٹ کے اٹھارہویں اجلاس میں ثقافتی روایات، بچوں کی پرورش میں تعلیم کے کردار اور والدین کی ذمہ داریوں سے متعلق قوانین میں بھی کافی کچھ ترمیم کیا گیا۔

ان نئے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں پر خطیر جرمانہ لگانے کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ بل کے التزامات کے مطابق قصورواروں پر 7920 سومونی تک کا جرمانہ لگایا جا سکتا ہے، جب کہ کمپنیوں پر 39500 سومونی تک کا جرمانہ لگ سکتا ہے۔ افسران اور مذہبی لیڈران پر اس سے بھی زیادہ جرمانہ لگانے کی بات کہی گئی ہے، جو ممکنہ طور سے بالترتیب 54000 اور 57600 سومونی ہو سکتا ہے۔

میڈیا رپورٹس میں تو یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ تاجکستان میں شادیوں اور دیگر مواقع پر دی جانے والی دعوتوں کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ داڑھی رکھنے پر بھی قانونی پابندی نافذ کر دی گئی ہے۔ اگر کوئی داڑھی رکھے ہوئے دیکھا گیا تو اس پر سخت کارروائی لازم ہے۔

بظاہر تو یہ قانون حال ہی میں پاس ہوا ہے لیکن تاجکستان میں مذہبی پابندیاں کوئی نئی نہیں ہیں۔ اس قسم کی پابندیوں کی پالیسی کئی سال پہلے شروع ہوئی تھی، اور بغیر کسی قانون کے ہی جبراً لوگوں کو داڑھیاں منڈوانی پڑتی تھیں، اور خواتین پر زور دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے حجاب کو "قومی ہیڈ اسکارف" میں تبدیل کر لیں۔ اس کے لیے تاجکستان کے پولیس اہلکار پہلے بھی جگہ جگہ چھاپے مارتے تھے اور خواتین کو سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ لباس تاجک روایات کا حصہ نہیں ہے۔ اور اب تو اسے قانون کی شکل دے دی گئی ہے۔

تاجکستان کے معروف وکیل شوکیر جون خاکیموف کا کہنا ہے کہ یہ اقدام شہریوں کے حقوق اور مذہبی آزادی کی واضح خلاف ورزی ہے، جو کہ آئین اور بین الاقوامی قوانین میں درج ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس بات پر زور دینے کی ضرورت ہے کہ ہر شہری لباس کے انتخاب اور طرز زندگی کے معاملے میں آزاد ہے۔ شہریوں کی اقدار اور عالمی نظریہ فیصلہ کن ہے۔ یہ ضروری ہے کہ امن عامہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور آئینی حکم کی بنیادوں کا احترام کیا جائے۔

محترمہ جمیلہ تاجکستان کے علاقے سغد کے ضلعی اسکول میں ریاضی کی تعلیم دیتی ہیں، وہ جب ڈیوٹی پر آتی ہیں تو مجبوراً ان کو اپنا اسکارف اتارنا پڑتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں ہمیشہ حجاب پہنتی ہوں، یہ میرا ذاتی انتخاب ہے۔ اس سلسلے میں شہر کی انتظامیہ کمیٹی برائے خواتین

اور خاندانی امور کی طرف سے مجھے کئی بار حجاب اتارنے کی وارننگ بھی دی جا چکی ہے اور ملازمت سے برطرفی کی دھمکیاں بھی مسلسل دی جا رہی ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ خواتین کے امور کی نگراں کمیٹی خواتین کے حقوق کے تحفظ کے بجائے اس قسم کے کاموں میں پیش پیش ہے!!!

ایک اور سماجی کارکن کا کہنا ہے کہ شاید، خواتین کے امور کی کمیٹی کے رہنماؤں نے کبھی آئین نہیں پڑھا ہے اور انھیں جمہوری ریاست کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ تاجکستان کے بیش تر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کمیٹی سے خواتین یا ریاست کو کوئی فائدہ نہیں ہے، وہاں عوامی طور پر اسے تحلیل کرنے کی بھی مانگ ہوتی رہتی ہے۔

صحافی میزگونا خلیمووا کہتی ہیں کہ مجھے نہیں سمجھ میں آتا کہ ایسے کپڑے پہننے سے کسی سرکاری ادارے کو کیسے نقصان پہنچ سکتا ہے، میں خود حجاب پہنتی ہوں اور اپنی زندگی بھرپور طریقے سے گزارتی ہوں، مجھے حجاب کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں تو کسی اور کو میرے حجاب سے کیوں پریشانی ہے؟ مجھے کئی جگہوں سے ملازمت کی پیش کش ہوئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ مجھے اپنا حجاب ترک کرنا ہوگا، اس لیے میں راضی نہیں ہوئی۔ میں ایک فری لانسر ہوں، خواتین اور خاندانی امور کی کمیٹی ہر چھ ماہ بعد پریس کانفرنس کرتی ہے، اس کانفرنس کی رپورٹنگ کے لیے مجھے حجاب کی وجہ سے اندر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ عورت اپنے لباس کے انتخاب میں آزاد کیوں نہیں ہو سکتی؟ مجھے ڈر ہے کہ اس قانون کی وجہ سے بہت سے خاندان ہجرت پر مجبور ہو جائیں گے۔

ایک معروف تاجک صحافی رجب مرزو کا کہنا ہے کہ اس طرح کے اقدامات بنیادی طور پر اس لیے اٹھائے جا رہے ہیں تاکہ حکمران طبقہ معاشرے کے ردعمل کا مشاہدہ کر سکے، حکمران اشرافیہ کا یہ سمجھنا ہے کہ اس طرح کے اقدام بہت ضروری ہیں تاکہ مزید فیصلہ کرنے اور نئے قوانین بنانے کی راہ ہموار ہو سکے۔

تاجکستان کے سرکاری محکموں کی پالیسی کو سمجھنا کافی مشکل ہے۔ اہلکار یا تو خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں یا ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو عقل میں نہیں سماتیں۔ تجزیہ کار عبدالمالک کوڈیروف کا خیال ہے کہ یہ اقدام صرف فارم پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، مسئلہ کے مواد پر نہیں، حجاب پہننے پر پابندی کیوں ضروری ہے؟ سیکولر ریاست کے تصور کو فروغ دینے کی خاطر؟ اگر اس کا بنیادی مقصد حد سے زیادہ مذہبیت کا مقابلہ کرنا ہے، تو خواتین میں سیکولرزم کے نظریات کو پھیلانے کے لیے لوگوں کی ذہنیت کو بدلنا ہوگا۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ خواتین کو "سیکولر" بنانے کے لیے شکل نہیں بلکہ مواد کو بدلنا ہوگا۔ یعنی ہمیں انھیں سیکولر طرز زندگی کے فوائد دکھانے ہوں گے نہ کہ ان کے اوپر سیکولرزم کو مسلط کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مطلوبہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے معیاری کردار سازی کی ضرورت ہے، اخلاقی روایات کو فروغ دینے اور سرکاری نظام سے بدعنوانیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا وہ لوگ جو دوسروں کو سیکولرزم کا سبق پڑھانے میں مشغول ہیں وہ سیکولرزم کا رول ماڈل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو میں خلوص دل سے ان کی حمایت کروں گا اور اگر جواب نہیں میں ہے تو خدا کے لیے وہ اس قسم کی حرکات سے باز آجائیں اور لوگوں پر سیکولرزم کو زبردستی مسلط نہ کریں۔

حالاں کہ تکنیکی طور پر مذہبی آزادی تاجکستان کے آئین میں شامل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلم اکثریتی ملک ہونے کے باوجود لوگوں کے مذہبی اعمال و افعال کو ریاست کے ذریعے سختی سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ گزشتہ مارچ میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات تک، تاجکستان وسطی ایشیا کی واحد ریاست تھی جس میں سیاسی اسلام کو نمائندگی حاصل تھی۔ تاجکستان کی اسلامی نشاۃ ثانیہ پارٹی (IRPT) کو خطے کی واحد قانونی طور پر رجسٹرڈ مذہبی پارٹی ہے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر یہ پارٹی الیکشن ہار گئی۔ جو نام نہاد سیکولر حکومت قائم ہوئی اس نے اب اس پارٹی پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر دی ہیں حتیٰ کہ اس پارٹی پر دہشت گرد تنظیم کا لیبل بھی لگایا جا چکا ہے۔ یعنی جو کچھ ہم اپنے ملک ہندوستان میں آئے دن مشاہدہ کرتے ہیں وہی کچھ تاجکستان میں بھی ہو رہا ہے۔ ہندوستان ہی کی طرح سیکولرزم اور جمہوریت کا چولا پہنے ہوئے ایک تاناشاہ وہاں بھی موجود ہے۔

اسلام پر ریاست کی سخت گرفت سیاست سے بالاتر ہے۔ ریاستی کمیٹی برائے مذہبی امور (CRA) مذہب سے متعلق قوانین کی نگرانی اور ان پر عمل درآمد کے لیے ذمہ دار ہے۔ یہی کمیٹی مذہبی گروہوں کے رجسٹریشن، مذہبی مواد کی درآمد کا ضابطہ، مساجد اور گرجا گھروں کی نگرانی، علماء کونسل اور تاجک مسلم کمیونٹی کی رہنمائی بھی کرتی ہے اور برائے نام طور پر آزاد رہتے ہوئے اسلام کا ریاستی منظور شدہ ورژن پیش کرتی ہے۔

(باقی، ص:32 پر)

شعاعیں

نہ نحوست نہ شامت ہے ماہ صفر

ڈاکٹر سبطین رضا مرتضوی

ماہ صفر اسلامی کلینڈر کے اعتبار سے سال کا دوسرا مہینہ ہے۔ ماہ محرم الحرام سے اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کے ختم ہونے پر صفر کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے۔ صفر تین حرف ص، ف، ر کا مجموعہ ہے۔ اس کے لغت میں کئی معانی ہیں، جن میں سے ایک معنی خالی ہونے کے ہیں۔ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ لوگ حرمت والے مہینوں کا احترام کرتے ہوئے ان میں قتال وغیرہ سے باز رہتے تھے، لیکن یہ مہینے گزرتے ہی وہ جنگ و جدل اور سفر کے ارادے سے اپنے گھروں سے نکل جاتے جس وجہ سے ان کے گھر خالی ہوجاتے تھے۔ اس ماہ کے حوالے سے لوگوں میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سی توہمات اور بدشگونیاں وابستہ کرلی گئی ہیں۔

اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں بھی صفر کے متعلق اہل عرب کے مختلف اور عجیب وغریب خیالات اور توہمات تھے اور آج بھی زمانہ جاہلیت سے کچھ ملتے جلتے خیالات پائے جاتے ہیں، جس کی وجہ مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کی کمی اور مشرکوں وغیرہ کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے آج بھی ایسے خیالات موجود ہیں جن کا دین وشریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلامی تعلیم کی دوری ہی کی وجہ سے مسلمانوں میں آج بھی زمانہ جاہلیت کے ساتھ ملتی جلتی مختلف توہمات پرستیاں ماہ صفر کے بارے میں پائی جاتی ہیں، جو مختصراً ذیل میں درج ہیں:

ماہ صفر اور ابتدائی تیرہ دن:

بعض جاہل لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ماہ صفر کے ابتدائی تیرہ روز خاص طور پر بہت زیادہ سخت اور تیز یا بھاری ہوتے ہیں، اسی وجہ سے یہ لوگ صفر کے مہینہ کی پہلی تاریخ سے لے کر تیرہ تاریخ تک کے دنوں کو بطور خاص منحوس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دنوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے، یہ بیماری اسی نحوست کا اثر ہے، اسی مناسبت سے ان لوگوں نے اس مہینہ کا نام ”تیرہ تیزی کا مہینہ“ رکھ دیا ہے۔ یہ لوگ تیرہ سے مراد ”۱۳“ کا ہندسہ اور تیزی سے مراد ”سختی اور پریشانی لیتے ہیں“۔ جب صفر کی تیرہ تاریخ آتی ہے تو چنے ابال کر تقسیم کرتے ہیں، تاکہ بلائیں اور نحوستیں دور ہوجائیں۔ ان سب باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ سراسر جہالت اور توہم پرستی کا شاخسانہ ہے، ایسا عقیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ صفر میں تیرہ دن بیمار تھے، مگر وہ صفر کے ابتدائی تیرہ دن نہیں بلکہ صفر کے آخری اور ماہ ربیع الاول کے ابتدائی ایام تھے۔ مشہور مورخ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی سند سے روایت کرتے ہیں:

”اشتكى رسول الله صلى الله عليه و سلم يوم الاربعاء لليلة بقيت من صفر سنة احدى عشرة“.

یعنی جب صفر کے مہینے کی ایک رات باقی رہ گئی بدھ کے دن سنہ گیارہ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شکایت ہوئی۔ [الطبقات الکبریٰ]

ماہ صفر اور جنات کا آسمانوں سے زمین پر اترنا:

بعض علاقوں میں مشہور ہے کہ صفر کے مہینہ میں لنگڑے، لولے اور اندھے جنات آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور چلنے والوں سے کہتے ہیں کہ ”بسم اللہ“ کر کے قدم رکھو، کہیں جنات کو تکلیف نہ ہو اور بعض لوگ اس مہینہ اور خاص کر کے آخری تاریخوں میں صندوقوں، پیٹیوں، ستونوں اور در و دیوار کو ڈنڈے مارتے ہیں تاکہ جنات گھروں سے بھاگ جائیں اور گھر ان جناتوں کی بلا سے محفوظ رہے۔ یہ سب بے بنیاد اور خلاف شریعت حرکات ہیں۔

ماہ صفر اور آخری چہار شنبہ:

ماہ صفر کے آخری بدھ کی رسم بھی ہمارے سماج میں صدیوں سے چلی آرہی ہے، بعض لوگ اس دن خوشیاں مناتے ہیں، مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں، کاروبار وغیرہ بند کردیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکاتے ہیں، نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، اس دن مختار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بیماری سے شفا نہیں ملی تھی اور نہ ہی آپ نے غسل صحت فرمایا تھا، بلکہ ماہ صفر کے آخری عشرہ میں بدھ کے دن [آخری بدھ] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے مرض کی شدت [مرض وفات] کا آغاز ہوا تھا جس پر یہودیوں نے عداوت و شقاوت اور اپنے بغض و کینہ کی وجہ سے خوشیاں منائی تھی۔ مسلمانوں کا ماہ صفر کی آخری بدھ کو خوشیاں منانا انتہائی بے غیرتی اور بے ادبی کی بات ہے یہ یہودیوں اور مجوسیوں کی ایجاد کردہ رسم ہے، جس کی شریعت اسلامیہ میں سخت ممانعت ہے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ سے ماہ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس دن عورتیں بطور سفر شہر سے باہر جائیں اور قبروں پر نیاز وغیرہ دلائیں جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”ہرگز نہ ہو، سخت فتنہ ہے اور چہار شنبہ محض بے اصل“۔

[فتاوی رضویہ، ج:۲۲، ص:۲۴۰]

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ [بدھ] ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں، سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں“۔ [بہار شریعت، ج:۳، ص:۸۷]

ماہ صفر اور شادی بیاہ کی تقریبات:

بعض عوام ماہ صفر میں شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات اور اہم امور کا افتتاح و ابتدا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ صفر میں کی ہوئی شادی صِفر یعنی ناکام و نامراد ہوگی، اس لیے صفر کا مہینہ گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر جب ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو شادی کی تقریبات منعقد کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی راسخ الاعتقاد مرد مومن ان فرسودہ رسومات اور جاہلانہ خیالات کو بالائے طاق رکھ کر اس ماہ میں شادی کرے تو اسے بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔ اور اس کی وجہ صفر کے مہینہ کو نامبارک اور منحوس سمجھنا ہے۔ یاد رہے کہ کسی بھی مہینہ یا دن کو نامبارک اور منحوس سمجھنا باطل اور توہم پرستی میں داخل ہے۔ شریعت مطہرہ میں ماہ صفر میں نکاح کرنے سے منع نہیں کیا گیا، نکاح تو ایک اہم عبادت ہے اور عبادت سے کیوں کر منع کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

” النِّكَاحُ من سُنَّتِي فمَنْ لمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي “. یعنی نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرے گا تو وہ مجھ میں سے نہیں۔ [ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۸۴۶]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پاک ہے:

”مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، لأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ“۔

یعنی تم میں جو بھی حقوق زوجیت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ نکاح ضرور کرے، کیوں کہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا عمل ہے۔ [بخاری، رقم الحدیث:۵۰۶۵]

ماہ صفر اور نحوست و شامت

زمانہ جاہلیت میں ماہ صفر کے متعلق بکثرت نحوست و شامت، مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونے کا اعتقاد رکھا جاتا تھا اور آج بھی بعض لوگوں نے اس مہینہ کو نحوستوں، شامتوں، مصیبتوں اور

آفتوں سے بھرپور مانتے ہیں اور پھر خود ہی ان مصیبتوں سے بچنے کے طریقے بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب من گھڑت اور اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کا قرآن وحدیث صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاف اور واضح ارشادات کے ذریعے زمانہ جاہلیت کے توہمات اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام باطل خیالات اور صفر کے متعلق وجود میں آنے والے تمام باطل نظریات کی تردید اور نفی فرمادی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زمانہ جاہلیت میں جن جن طریقوں سے نحوست، بدفالی اور بدشگونی لی جاتی تھی ان سب کی بھی مکمل طور پر نفی اور تمام مسلمانوں کو اس قسم کے توہمات سے بچنے کی تاکید فرمادی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ"

کسی سے کوئی مرض خود بخود نہیں چمٹتا، نہ بد فالی کی کوئی حقیقت ہے نہ صفر کی نحوست کی اور نہ کھوپڑی سے الو نکلنے کی۔

[مسلم، رقم الحدیث: ۵۷۸۹]

جو سمجھتے ہیں تجھ کو تو منحوس ہے
ان کی عادت پہ لعنت ہے ماہ صفر
"لاصفر" سے عیاں یہ ہوا مومنو!
نہ نحوست نہ شامت ہے ماہ صفر

[مرتضوی]

ماہ صفر کو منحوس قرار دینا اور اس کو برا سمجھنا وغیرہ ایسے خیالات ونظریات اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے، یاد رہے کہ زمانے کو برا کہنا سخت گناہ ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

"يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ"

ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، اس طرح کہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے، جب کہ میں ہی رب دہر ہوں، رات اور دن کو پلٹتا ہوں۔

[مسلم، رقم الحدیث: ۵۸۶۳]

ہمارے یہاں ضعیف الاعتقادی کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی کو اس ماہ میں کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچ جائے تو وہ اس کی وجہ اس ماہ کو سمجھتا ہے، حالانکہ یہ خود ہمارے ہاتھوں کی کمائی اور ہماری شامت اعمال ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ۔

[الشوریٰ: ۳۰]

ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا۔ [کنزالایمان]

مذکورہ بالا قرآن وحدیث کی رہنمائی سے معلوم ہوا کہ ماہ صفر کو منحوس سمجھنا، تیرہ تیزی کے دن کا اعتقاد رکھنا، آخری چہار شنبہ کو جشن کے طور پر منانا اور سیر وتفریح کے لیے نکلنا۔ یہ سب خلاف بدعات ہیں۔ ایسے عقائد ونظریات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ہمیں بحیثیت مسلمان صفر کے مہینہ میں ہر جائز ونیک کام مثلاً شادی بیاہ اور دوسری خوشی کی تقریبات زیادہ سے زیادہ منعقد کرنی چاہیے، تاکہ باطل عقائد ونظریات کی تردید ہو۔ جو لوگ ایسے وقت میں جب کہ معاشرہ میں صفر کے مہینہ میں شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات کو تقریباً چھوڑا جا چکا ہے، وہ نکاح اور دیگر نیک کام کریں گے بہت بڑا اجر پانے کے مستحق ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا، بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ"۔

یعنی جس نے اسلام میں کسی اچھے کام کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس پر عمل ہوتا رہا، اس کے لیے ہر عمل کرنے والے کے اجر جتنا اجر لکھا جاتا رہے گا، لیکن ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ [مسلم، رقم الحدیث: ۶۸۰۰]

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے اور تمام خرافات وبدعات سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

▫▫▫

پیر سید اشرف جہانگیر سمنانی

قدس اللہ باسرارہ السامی

غلام سرور لاہوری/ترجمہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی

آپ خطہ ہندوستان کے عظیم اولیا اور نہایت متقی بزرگ تھے۔

آپ علاؤالدین بنگالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کو چاروں سلسلوں سے فیض ملا تھا۔ کیوں کہ آپ کو وقت کے تمام پیرانِ عظام کی صحبت میسر ہوئی تھی اور آپ نے ہر ایک سے روحانی تربیت پائی تھی۔

آپ کے والد ماجد سلطان ابراہیم سمنان کے بادشاہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد سید پیر جہانگیر سمنانی تخت نشین ہوئے چند سال حکومت کی پھر تارکِ تاج و تخت ہو گئے۔ اور فقرا کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔

معارج الولایت کے مولف نے لطائف اشرفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سید اشرف جہانگیر مادر زاد ولی اللہ تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور ساتوں قرأت میں ماہر ہو گئے تھے، چودہ سال کی عمر میں عقلی اور نقلی علوم سے فارغ ہو گئے۔ اسی سال آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ اگرچہ آپ طبعًا اقتدار ملک کی طرف متوجہ نہ تھے۔ مگر امرائے دربار کے اصرار پر آپ تختِ شاہی پر جلوہ فرما ہوئے آپ امور سلطنت سے فارغ ہو کر حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام آئے اور فرمایا۔ اگرچہ آپ کو امور سلطنت سے فراغت نہیں۔ مگر نقش اسم اللہ کے اجمالی معانی ذہن نشین کر لیں اور اسم ذات کو دل کی زبان سے ادا کرتے رہا کریں اور انفاس سے واقف ہونا چاہیے۔ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے کہنے پر گامزن رہے تو آپ کو بے پناہ روحانی فوائد حاصل ہوئے، پھر حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لائے اور آپ کو اذکار اویسیہ سے واقف کر دیا۔ آپ سات سال تک ان اذکار و وظائف میں مشغول رہے رمضان المبارک کی ستائیسویں رات آپ نوافل ادا کر رہے تھے۔ اور ذکر میں بھی مشغول تھے، خضر علیہ السلام پھر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا:

ہم خدا خدا ہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال ستِ جنوں

آپ خدا بھی چاہتے ہیں۔ اور دنیائے دوں بھی۔ یہ خیال مشکل ہے اور ایک جنوں ہے۔ بیٹا یاد رکھو! طلب خداوندی اور دنیاوی معاملات یکجا نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کو محبوب کی طلب ہے۔ تو امورِ سلطنت کو چھوڑنا ہو گا۔ اور جلدی سفر کر کے ہندوستان میں جا کر علاؤالدین بنگالی کی خدمت میں حاضری دیں۔ تاکہ ان کی وساطت سے خدا تک پہنچ سکو۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ارشاد پر حضرت سید میر اشرف جہانگیر نے فوراً تاج و تخت کو چھوڑ دیا۔ اور سلطان محمود کو اپنا جانشین مقرر کر کے اپنی والدہ ماجدہ بی بی خدیجہ بیگم سے ہندوستان جانے کی اجازت لی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ بیٹا! ابھی تم پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو مجھے حضرت خواجہ احمد یسوی قدس سرہ نے بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک ایسا بیٹا دے گا جس سے تمام دنیا روشن ہو جائے گی۔ الحمد للہ اب اس بشارت کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اپنے حقوق تمھیں بخشتی ہوں۔

حضرت میر جہانگیر تئیس سال کی عمر میں سمنان سے ہندوستان روانہ ہوئے، برصغیر میں سب سے پہلے آپ اوچہ شریف پاکستان میں پہنچے۔ اور حضرت مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت جلال الدین سے ملاقات کی، بڑی روحانی نعمتیں حاصل ہوئیں۔ وہاں سے روانہ ہوئے اور دہلی پہنچے یہاں بزرگان چشت کی زیارتوں سے فیض حاصل کیا۔ دہلی سے مشرق کو روانہ ہو کر حضرت علاؤ الدین بنگالی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت علاء الدین کو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت میر جہانگیر سمنانی کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ اپنے اصحاب کو لے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ ملاقات کے بعد نہایت شفقت اور محبت سے اپنی بہلی میں سوار کیا اور اپنے ساتھ خانقاہ میں لے آئے۔ اسی دن آپ کو بیعت فرمایا اور اپنا لباس پہننے کو دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے تکمیل سلوک کر لی اور آپ کو جہانگیر کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ خرقۂ خلافت دے کر جونپور کی ولایت پر مامور فرمایا گیا۔ آپ نے عرض کی حضور جونپور میں تو ایک شیر ببر کی فرماں روائی ہے، میری وہاں کیا مجال ہو گی۔ شیر ببر سے مراد حاجی چراغ ہند سہروردی خلیفہ حضرت رکن الدین ابوالفتح نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ

علیہ تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ فکر نہ کرو تمھیں بھی ایک شیر کا بچہ دیں گے جس سے پہلا شیر چلا جائے گا۔ پہلے جاکر ظفر آباد میں قیام کرنا۔

میر جہانگیر سمنانی اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق جونپور کو روانہ ہوئے۔ پہلے قصبہ محمد پور میں قیام فرمایا۔ آپ کے پاس اس علاقہ کے علما و فضلا کی ایک جماعت ملنے آئی، دوران گفتگو حضور سید الانبیا کے چار صحابۂ کبار کا ذکر چل پڑا حضرت میر جہانگیر نے چاروں صحابہ کی شان میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ آپ نے ان علمائے کرام کے سامنے یہ رسالہ پڑھا۔ اس رسالہ میں تینوں صحابہ کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب اور محامد قدرے زیادہ لکھے گئے تھے۔

حضرات علمائے کرام نے اعتراض کیا اور حضرت کو رافضی کہا گیا ۔ اگرچہ حضرت میر جہانگیر نے انہیں قائل کرنے کے لیے بڑی بحث کی اور بڑے دلائل دیے۔ مگر ان علما کی رائے تبدیل نہ کر سکے۔ دوسرے دن اور زیادہ علمائے کرام جمع ہوئے تو یہ سلسلہ باقاعدہ مناظرہ اور مباحثہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اور محضر نامہ لکھا حضرت میر جہانگیر کو مجمع عام میں مناظرہ کرنے پر آمادہ کیا گیا ان دنوں ایک شخص سید خان زبردست عالم دین تھا، جو جونپور کے تمام علاقہ میں علمائے کرام کا سربراہ مانا جاتا تھا۔ اس نے جمعرات کو سرکار دو جہاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا، جہانگیر اشرف میرا جگر گوشہ ہے وہ ایسا نہیں ہے جیسا تم لوگ خیال کرتے ہو۔ اس کے مقابلہ میں نہ بحث و تمحیص کام آئے گی نہ دلائل، اگر خیریت چاہتے ہو۔ تو معذرت کر کے تائب ہو کر صاف دلی سے ان کے پاس حاضری دو۔ سید خان علی الصباح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، قدم بوسی کی اور عرض کی حضور علما کے استفسار کا جواب میں دوں گا آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ نمازہ جمعہ کے بعد علمائے کرام نے وہ محضر نامہ پیش کیا جس میں تینوں صحابۂ کرام کو حضرت علی پر فضیلت ثابت کرنے کے لیے دلائل تھے۔ ابھی حضرت میر جہانگیر اشرف نے زبان نہ کھولی تھی کہ سید خان نے علمائے کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کا اعتراض میر جہانگیر پر صرف اتنا ہی ہے کہ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں مبالغہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں ! سید خان نے کہا۔ یہ اعتراض اس شخص پر کیا جا سکتا ہے جو سید نہ ہو، یہ اعتراض سید پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کی عزت اور مراتب بیان نہیں کرتا تو اسے اسلام میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ اسے اپنے والدین کے اوصاف اور مناقب بیان کرنے سے نہیں روکا جا سکتا ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا کہ اس نکتہ پر ہمیں کسی مجتہد کا قول چاہیے یا کسی معتبر کتاب سے سند چاہیے۔ سید خان نے جامع العلوم کی یہ عبارت پیش کی۔ ”الناس أبنا الدنیا لا یلام الرجل علی ابو یه و بمدهما.“ (لوگ دنیا کے بیٹے ہیں کسی شخص کی اس بات پر ملامت نہ کرو کہ وہ اپنے والدین کی تعریف کرتا ہے) یہ روایت سن کر معترض خاموش ہو گئے۔ اور بحث و تکرار کو ختم کر کے مطمئن ہو گئے۔ حضرت میر اشرف جہانگیر نے جب دیکھا کہ علما مطمئن ہو گئے ہیں تو تمام مخلصین کے لیے دعا خیر کی۔ سید خان جو ابھی تک بے اولاد تھا۔ چار بیٹوں کی بشارت دی جو عالم فاضل اور کامل فی العلم ہوں گے۔ اس کے باوجود جن معترفین نے دل میں کدورت رکھی وہ اپنی زندگی میں کئی مصائب میں مبتلا ہوئے۔

پروانہ ازاں سوخت کہ با شمع با فتاد

با ید سوختگان ہر کہ در افتاد بر افتاد

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ جن دنوں آپ ظفر آباد میں قیام فرما تھے، چند بھانڈوں نے بعض معاندین اور حاسدین کے اکسانے پر ایک زندہ شخص کو کفن پہنا کر آپ کے پاس جنازے کی شکل میں اٹھایا اور حضرت کے پاس لے گئے اور کہا: حضرت اس مردے کا جنازہ پڑھا دیں۔ آپ ان کے کہنے پر اپنے احباب سمیت اٹھے اور جنازہ گاہ میں پہنچ کر نمازہ جنازہ کی جماعت کرائی۔ بھانڈوں کا ارادہ تھا کہ جب آپ جنازہ پڑھائیں گے تو مردہ اُٹھ کر بھاگ کھڑا ہو گا اور ہم حضرت کا مذاق اڑائیں گے۔ حضرت میر جہانگیر سمنانی کو نور باطن سے یہ ساری صورت حال معلوم تھی، آپ نے بار بار لوگوں کو کہا کہ یہ جنازہ کسی اور سے پڑھوائیں، مگر انھوں نے اصرار کیا کہ نہیں آپ ہی پڑھائیں۔ آپ نے جنازہ کی قیادت فرمائی۔ ابھی آپ نے پہلی تکبیر کہی تھی کہ ملک الموت نے اس شریر جعلی مردے کی روح قبض کر لی، وہ نماز جنازہ مکمل ہونے تک نہ اٹھا۔ بھانڈ اور دوسرے لوگ اس کے سرہانے پر پہنچے دیکھا تو واقعی وہ مرا پڑا ہے۔ رونا دھونا شروع کیا اگرچہ انہوں نے بڑی معافی مانگی۔ معذرت کی مگر آپ نے کہا اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس کرامت کی شہرت نے تمام علاقہ کے لوگوں کو آپ کا عقیدت مند بنا دیا۔

حضرت حاجی شیخ چراغ ہند قدس سرہ اس ولایت کے مالک تھے، پہلے پہلے تو آپ کو حضرت میر جہانگیر سمنانی کی یہ مقبولیت اور شہرت پسند نہ آئی۔ لیکن آپ کو اتنی ہمت نہ تھی کہ آپ کے خلاف اٹھ کر کوئی ایسا کام کر سکیں، حضرت کو تکلیف پہنچا سکیں۔ اسی اثنا میں ایک شخص کبیر سُرہُر پوری جو دربار کا بہت بڑا امیر تھا۔ ظاہری علوم کے حصول کے بعد سوچنے لگا۔ کہ میں کسی کامل مرید بنوں اور باطنی کمالات حاصل کروں۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک سرخ رنگ بزرگ نے اسے

اپنا مرید بنالیا ہے۔اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اس شہر کے بزرگ تو حاجی شیخ ہیں، میں انھی کے پاس جاؤں۔میں حاضر ہوا مگر میں نے آپ کو دیکھا جو شکل وصورت مجھے خواب میں دکھائی گئی تھی وہ نہیں ہے۔ بہر حال میں کچھ دن آپ کی خدمت میں رہا مگر انہوں نے مجھے بیعت نہ کیا۔کچھ دنوں بعد میں میر سید اشرف جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شکل وصورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں دکھائی تھی۔میں اسی وقت آگے بڑھا اور بیعت ہو گیا۔

میرے بیعت ہونے کے بعد آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا:بکیر وہی شیر کا بچہ ہے جس کی طرف شیخ علاؤالدین نے اشارہ فرمایا تھا۔کبیر جیسے امیر ورئیس کی بیعت کی خبر سنی تو حضرت شیخ حاجی بڑے غضب ناک ہوئے۔جلال میں آکر کہا:کبیر جوانی میں ہی مرجائے گا۔یہ بات سن کر حضرت میر اشرف جہانگیر نے فرمایا غم نہ کرو تم پیر کبیر ہوگے اور بوڑھے ہوکہ وفات پاؤ گے تم اپنا کام کرو اور کسی کی پرواہ نہ کرو۔پیر کبیر نے کہا، پہلے حاجی شیخ مرجائے، پھر شیخ کبیر کو موت آئے۔چونکہ یہ تینوں ارشادات اولیاءاللہ کی زبان سے نکلے تھے۔اللہ نے پورے کر دیے۔ شیخ کبیر پچیس سال کی عمر میں بوڑھے دکھائی دینے لگے۔آپ کے بال سفید ہوگئے۔شیخ حاجی چراغ شیخ کبیر کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے ان کے پانچ سال بعد شیخ کبیر بھی فوت ہوگئے۔

شجرہ چشتیہ میں لکھاہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر جونپور کی سیر کرنے کے بعد کچھوچھہ شریف تشریف لے گئے،ان دنوں وہاں ایک کامل جوگی رہتا تھا۔اس جوگی کے پانچ سو چیلے ہر وقت فضا میں پرواز کرتے رہتے تھے،حضرت کو اس جوگی سے واسطہ پڑا۔جوگی نے کئی قسم کے استدراج شعبدے اور حملے کئے مگر حضرت پیر میر جہانگیر اشرف ہر وار سے بچ جاتے۔آخر تنگ آکر جوگی نے اپنی شکست مان لی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کر لیا۔اور اپنے تمام چیلوں کو لے کر آپ کا مرید ہوگیا۔حضرت جہانگیر نے جوگی کی قیام گاہ پر ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔خاص حجرہ بنوایا اور ایک فرحت بخش باغ کی بنیاد رکھی۔جسے روح آباد کے نام سے مشہور کیا۔وہاں سے شیخ بدیع الدین مدار کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے، حرمین الشریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے تو شیخ بدیع الدین تو واپس ہندوستان آگئے مگر میر اشرف جہانگیر مدینہ منورہ سے نجف اشرف کو روانہ ہوئے اور وہاں سے بغداد شریف اور کربلا معلّٰی پہنچے، وہاں سے روم پہنچے، جہاں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور بیٹے سلطان دارا اور دوسرے مشائخ وقت کی زیارت کرتے ہوئے شام کو چلے آئے۔دمشق میں حضرت فخر الدین عراقی کی زیارت کی،دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچے اور حج ادا کر کے بغداد آئے۔حضرت غوث الاعظم امام ابو حنیفہ،امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی زیارات پر حاضری دے کر کاشان جا پہنچے۔شیخ عبد الرزاق کاشانی رضی اللہ علیہ کی زیارت کی وہاں سے سمنان آئے۔ان دنوں آپ کی ہمشیرہ ابھی زندہ تھیں۔ان کے پاس کچھ عرصہ رہ کر اس کی دل دہی کی پھر وہاں سے اجازت لے کر مشہد مقدس پہنچے۔امام علی رضا کے کاشانہ پر مختلف ہوئے۔انہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا کے مزار پر انوار کی نیاید کو آیا ہوا تھا وہ حضرت میر جہانگیر اشرف کا معتقد تھا۔خدمت میں حاضر ہوکر قدم بوس ہوا۔

آپ مشہد سے روانہ ہوکر ہرات آئے اور ماوراء النہر سے ہوتے ہوئے بخارا کے پاس حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی زیارت گاہ پر حاضری دی۔ایک عرصہ تک ہاں قیام پذیر رہے۔وہاں سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا اور سلوک نقشبندیہ کے مناصب حاصل کیے۔وہاں سے چل کر ترکستان پہنچے اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے بیٹوں کی زیارت کی۔وہاں سے قندھار،غزنین،کابل اور بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے۔ملتان سے چل کر پاک پٹن آئے۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مزار کی زیارت کی، وہاں سے دہلی پہنچے۔دہلی سے اجمیر شریف پہنچے اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے روضۂ پر انوار سے ایک عرصہ تک فیضان حاصل کیے۔

اجمیر شریف سے روانہ ہوکہ دکن میں حضرت سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی، وہاں سے سراندیپ (سری لنکا) جا نکلے۔اور کچھ عرصہ کے بعد گجرات کاٹھیاواڑ کے راستے سے ہندوستان آئے اور ارادہ کر لیا کہ اب عالم اسلام کے بزرگان دین کی زیارت کے بعد سارے برصغیر کے مشائخ کی زیارت سے مستفیض ہونا چاہیئے۔کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد کبیر اور سید علی ہمدانی قدس سرہ کے ساتھ دنیا کی سیر کو روانہ ہوئے۔اپنے پیر و مرشد علاؤالدین منور کی خدمت میں بنگال میں حاضر مجالس رہے۔حضرات چشت کے تبرکات حاصل کیے۔حضرت میر علی ہمدانی کے ساتھ سفر طی الارض کے انداز میں کیا گیا۔کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے اس سفر میں ایک سو نو پیران عظام سے باطنی فیضان حاصل کیا تھا۔تیسری بار اوچ شریف پہنچے تو مخدوم سید جلال الدین مخدوم جہانیاں قدس سرہ سے بڑا فیض پایا۔حضرت مخدوم جہانیاں آج تک چار سو سے زیادہ مشائخ سے فیض

پاچکے تھے۔اس فیض سے حضرت میر جہانگیر اشرف کو پوراپوراحصہ دیا گیا۔اس روحانی سیر کے بعد آپ اپنے مسکن پر آکر قیام فرما ہوئے۔

ایک دن حضرت پیر میر جہانگیر اشرف قدس سرہ روح آباد میں تشریف فرما تھے۔ بہت سے بزرگان وقت بھی مجلس میں موجود تھے۔ایک قلندر علی نامی اپنے پانچ سو قلندر ساتھیوں کو لیے ہوئے آیا اور آپ کی مجلس میں آپہنچا اور لاطائل اور بے معنی گفتگو شروع کر دی۔ پوچھنے لگا: آپ نے جہانگیر کا خطاب کہاں سے پایا ہے؟ فرمایا: اپنے پیرو مرشد سے۔ قلندر نے پوچھا: آپ کی جہانگیری کی تصدیق کیا ہے اور مجھے کس طرح یقین آئے کہ آپ جہانگیر پیر ہیں؟ قلندر کی یہ بات سنتے ہی آپ کے چہرے پر جلال کے آثار نمایاں ہوئے، فرمایا۔ میں صرف جہانگیر ہی نہیں جان گیر (جان لینے والا) بھی ہوں۔ یہ بات سنتے ہی قلندر لڑکھڑایا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مجلس میں شور مچ گیا، قلندر کے تمام مرید اور ہمراہی آپ کے قدموں پر گر پڑے اور مرید ہو گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جہانگیر اشرف قدس سرہ کو جوگیوں کے ایک بت خانے میں اسلام کی حقانیت پر مناظرہ کرنا پڑا۔ان لوگوں نے آپ کی ولایت کی پکی دلیل (برہان قاطع) طلب کی۔ آپ نے بتوں میں سے ایک پتھر کی مورتی کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔ وہ اسی وقت آپ کے قدموں میں آگری اور حضرت کی ولایت کی تصدیق کا اعلان کرنے لگی اس کرامت کو دیکھ کر کئی ہزار ہندو مسلمان ہو گئے۔

معارج الولایت میں ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جہانگیر اشرف کی زندگی سے لے کہ آخر تک آپ کے باغ میں کوئی جانور بیٹ نہیں کرتا۔ آپ کے روضے سے متصل حوض کا پانی آج تک مکدر (گدلا) نہیں ہوا۔ آسیب زدہ مرید آپ کے روضہ پر نظر پڑتے ہی صحت یاب ہو جاتا ہے۔ آپ کا اسم گرامی پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کریں تو آسیب بھاگ جاتا ہے۔

آپ کے وصال کا واقعہ کتابوں میں یوں درج ہے کہ حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے محرم الحرام کی ستائیسویں تاریخ کو اپنے وقت کے چیدہ چیدہ مشائخ کو جمع کیا۔ ان سے ملاقات کی اور ایک ایک کو الوداع کہا۔ اپنے دینی بیٹے عبد الرزاق کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا، اور اپنا جانشین قرار دیا۔ نماز ظہر کے بعد قوالوں کو بلا کر مجلس سماع منعقد کرائی۔ قوال سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

گیر بدست تو آمدست احلم
قدر رضینا بما جریٰ قلم

(اگر آپ کے ہاتھ سے میری موت آئی ہے تو ہم نوشتۂ قلم پر راضی ہیں) یہ شعر سن کہ آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ اس قدر تڑپے کہ حد و حساب سے باہر تھا۔ ایک لمحہ تسکین ملی تو قوالوں نے یہ شعر شروع کیا۔

خوب تر زین وگرچہ باشد کار
یار خنداں آمد بجانب یار

(اس سے بڑھ کر اچھا کام کیا ہو گا کہ یار ہنستے ہوئے یار کے قدموں میں جا گرے)

سیر ہنیند جمال جاناں را
جاں سپار و نگار خنداں را

(اپنے محبوب کے حسن و جمال کو جی بھر کر دیکھ لے پھر مسکراتے ہوئے محبوب کو جان قربان کر دے۔)

یہ اشعار سنتے ہی آپ کے دل میں آگ لگ گئی، سینہ دھڑکنے لگا، مستی و شوق سے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ ماہی بے آب کی طرح زمین پر لوٹنے لگے، آخر ایک آہ نکالی اور جان جان ستاں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْن.

حضرت میر جہانگیر اشرف قدس سرہ کی وفات ستائیسویں ماہ محرم الحرام ۸۰۸ھ کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ روح آباد میں جو باغ آپ نے تعمیر کیا تھا۔ اس میں دفن کیے گئے، حضرت نے بہت سی قابل قدر تصانیف یادگار زمانہ چھوڑیں۔ بشارت المریدین اور مکتوبات بہت مشہور ہیں۔ آپ کے حالات پر لطائف اشرفی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

چو رفت از عالم دنیا بجنت
جناب میرا شرف شیخ حق پیر
بسال انتقال آن شہِ دین
عیاں شد راہ بر قطبِ جہانگیر

امام موموناں میر جہانگیر + مکمل عارف والا جہانگیر (بتکرار)
808ھ 808ھ

واصل کامل شریف + ولی ہند میر جنت + سید شریف سعید
808ھ 808ھ 808ھ

واحد اشرف مقبول + سید محمود ولی شریف
808ھ 808ھ

تاج ابرار + سیر کشاف
808ھ 808ھ

انوار حیات

مجاہد جنگ آزادی
مولانا سید کفایت علی کافی شہید مرادآبادی

مولانا محمد شہاب الدین رضوی

حکومت ہند نے جشن آزادی کے 75 سال مکمل ہو جانے پر "75واں امرت مہوتسو" منانے کا اعلان کیا ہے اور باضابطہ طور پر بڑے بڑے پروگرام بھی حکومتی سطح پر منعقد کیے جارہے ہیں، مگر اس جشن سے وہ سارے نام غائب ہیں جنہوں نے ملک کو آزاد کرانے میں اپنی جان و مال کی قربانیاں دی ہیں۔ اس ضمن میں بطل حریت حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا رضا علی خان نقشبندی بریلوی، مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، خان بہادر خان اور جنرل بخت خان وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ مگر دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑرہا ہے کہ ان بزرگ شخصیات کے ساتھ غیروں نے جو کیا وہ کیا مگر اپنوں نے بھی یکسر بھلادیا، بس جلسہ و جلوس اور عرس وغیرہ میں خوب سینہ ٹھوک کے لمبے لمبے الفاظ کے ساتھ القابات کے نعرہ لگانے کو ہی کافی سمجھا جانے لگا۔ کسی فلسفی مؤرخ نے کہا ہے کہ: "جو قوم اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش کر دیتی ہے، وہ قوم بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے، پھر اس کا کوئی نام و نشان اور نام لینے والا بھی نہیں ملتا ہے۔"

جنگ آزادی 1857ء مسلمانان برصغیر متحدہ ہندوستان کی وہ منظم اور ہمہ گیر تحریک تھی کہ جس میں انھوں نے وطن عزیز کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، اس تحریک میں اگر ایک طرف امراء و رؤساء اور فوجی طاقت پیش پیش تھی تو دوسری جانب علما و صلحا، فقرا و شعراء اور عوام بھی شریک تھے۔ "فتویٰ آزادی جہاد" سے علما کی مساعی جمیلہ کا اندازہ ہوتا ہے، شعرا بھی بزمِ سخن کو چھوڑ کر میدانِ رزم میں آگئے۔ آزادی کے مجاہدین نے غیر ملکی برطانوی حکومت کے قدم اکھاڑ دیئے، انھیں سرفروش اور کفن بردوش مجاہدین میں سے مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی ہیں جنہوں نے مسندِ علم و بزمِ سخن کو چھوڑ کر جنگِ آزادی 1857ء میں مردانہ وار حصہ لیا اور جام شہادت نوش کیا۔ پھانسی کے پھندے کو چوم کر مدحت رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمالیا۔

ابتدائی حالات:

کفایت علی نام، تخلص کافی ہے۔ ایک معزز خانوادہ سادات کے رکن اور مرادآباد کے قدیم ساکن تھے، چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار میں انہوں نے اپنے نام و وطن اور تخلص کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک ہمارے معاصر قلم کار کا یہ کہنا ہے کہ: نگینہ بجنور کے خاندان سادات میں پیدا ہوئے، جو تاریخی حوالوں سے سراسر غلط ہے۔ ملاحظہ کریں:

اور یہ بھی تیرے جہاں میں ہے
اب کفایت کی التجا یا رب
مونسِ روزگار کافی ہو
نعت اوصاف مصطفیٰ یارب

سرِ کافی فدائے خاک پائے اطہر اقدس
دل و جانِ کفایت تجھ پہ لاکھوں بار قرباں ہو
چل مدینۂ طیّبہ کو چھوڑ کر شہر و وطن
اس مراد آباد سے کافی کہاں کا ارتباط

(دیوان کافی از مولانا کافی شہید مرادآبادی، مطبوعہ و قلمی نسخہ اسلامک ریسرچ سینٹر بریلی شریف)

مولانا کافی جب شعور کی منزل میں پہنچے تو والد ماجد نے آپ کی تعلیم کی جانب توجہ منعطف فرمائی، اور آپ کو علوم دینیہ کے حصول کے لیے مدرسہ میں داخل کرادیا، آپ نے مختلف علما سے علوم و فنون حاصل کیے، ابتدائی تعلیم مرادآباد میں حاصل کی، بریلی، رام پور اور بدایوں تحصیل علم کے سلسلے میں رہے۔ لکھنؤ کے دارالعلوم فرنگی محل میں رہ کر مفتی ظہور اللہ لکھنوی (متوفی 17 ربیع الاوّل 1256ھ) اور دیگر

علماء کبار سے تحصیل علوم وفنون کیا۔ تکمیل علوم وفنون کے بعد عارف باللہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی رام پوری قدس سرہٗ (متوفی 2 ربیع الاوّل 1277ھ) کی خدمت میں حاضر ہوکر حدیث شریف پڑھی، علوم مروجہ کی تحصیل کے ساتھ تصوف وسلوک کی منزلیں بھی طے کرتے رہے، اس کے بعد کا شغل زندگی بن گیا۔ بعدہٗ مولانا نے حضرت شاہ احمد سعید مجددی نقشبندی سے بیعت و ارادت حاصل کر کے خرقۂ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ (تذکرہ علمائے ہند از مولانا رحمان علی، ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ص:557 مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی 2003ء -پاکان امت از مولانا محمود احمد قادری، ج:2 ص:257، مطبوعہ بزم رفاقت مظفر پور 2022ء/1444ھ)

بدایوں کے سلسلۂ تعلیم میں معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد اسحاق بدایونی سے خاص تعلقات تھے، ان کے ایک رسالہ کی بنیاد پر مولانا کافی نے نظم "داستان صادق" لکھی۔ مولانا کافی مولوی محمد اسحاق بدایونی کے متعلق لکھتے ہیں:

کہ مرے مشفق ذی شان کریم الاخلاق
مولوی مجمع افضال محمد اسحاق
مولد و موطن و مسکن ہے بدایوں ان کا
ہے جو وہ شہر دل آویز ہمایوں بلدہ
ہیں وہ سر مخزن علم و عمل و حلم و کرم
مصدر خلق حسن منہل اطوار ہمم
بیشتر شغل احادیث و خبر رکھتے ہیں
مونس وقت کبھی سیر و سیر رکھتے ہیں
علم دینی سے نہایت ہے محبت ان کو
حق تعالیٰ رکھے بخیر سلامت ان کو

مولانا کافی نے علم طب حکیم شیر علی سے حاصل کیا، حکیم شیر علی مؤلف "تذکرۂ علمائے ہند" مولوی رحمان علی کے والد تھے۔ مولانا کافی نے حکیم شیر علی کی وفات (1256ھ) پر جو تاریخ کہی ہے، اس کو مولوی رحمان علی نے اپنی کتاب "تذکرۂ علمائے ہند" میں ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہے:

لو شیر علی نے کیا انتقال
تو کافی مناسب ہے بہر ثواب
یہی سالِ تاریخ لکھد یجئے
بہ لوحِ لحد خادمِ بو تراب
-1256ھ-
1840ء

علم وفضل:

مولانا سید کفایت علی کافی تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ میں مہارت کامل رکھتے تھے، خصوصاً علم طب، صرف ونحو اور شعر وشاعری و ادب وغیرہ میں کمال حاصل تھا، علم حدیث سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ شاعری کے سلسلے میں مولوی عبد الغفور نساخ لکھتے ہیں:

"کافی تخلص۔ مولوی کفایت علی نام، صاحبِ علم وفضل و زہد و ورع ہیں۔ بیشتر اشعار ان کے حمد ونعت میں ہوتے ہیں۔" اس کے بعد نمونہ کلام درج ہے۔ (سخن شعراء، ص:395، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ)

حکیم سید غلام قطب الدین باطن اکبر آبادی لکھتے ہیں:

"کافی تخلص، مولوی کفایت علی صاحب نام، مؤلف شمائل ترمذی، نسیم جنت، عالمِ بے بدل، قابل دانائے دقائق احادیث و آیات، قابل فضیلت نفی اثبات کی کیابات ہے، بحثِ صرف ونحو بہر نحو وصرف "اوقات" نظم کیا خوب ہے۔ شائق کو مرغوب ہے، سامعین کو کافی ہے، ناظرین کو وافی ہے۔"

(گلستانِ بے خزاں ص:301، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ)

مولوی عبد الحی صفا بدایونی تحریر فرماتے ہیں:

"کافی تخلص، مولوی کفایت علی مراد آبادی۔ صاحب علم و صالح دین دار تھے، مداحِ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اوقات عزیز گزارتے تھے، بہار خلد، حلیۂ مبارک اور اکثر کتب نظم و نثر ان کی راقم کی نظر سے گزری ہیں۔"

(تذکرہ شمیم سخن ص:191 مطبوعہ مطبع امداد الہند مراد آباد)

مولانا کافی شہید مرادآبادی سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، ہمیشہ نعت رسول لکھنے اور پڑھنے میں مشغول رہتے تھے، اپنے آپ کو مدحتِ رسول میں منہمک رکھتے، مولانا شیفتۂ جمال مصطفوی کا آئینہ اور مشہور و مقبول واصف شاہ ہدیٰ خیر الوریٰ تھے۔

علم حدیث سے شغف:

مولانا کافی نے علمِ حدیث حضرت شاہ ابو سعید مجددی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، جو کہ سراج الہند حضرت شاہ امام

الدین عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 7 شوّال 1239ھ) کے شاگرد تھے، اس طرح مولانا کافی کا سلسلۂ تلمذ صرف دو واسطوں سے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے مل جاتا ہے، مولانا کافی کی شاعری تمام تر محبتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ذکر حدیث سے عبارت ہے، ان کی تصانیف بھی احادیث کے تراجم یا تشریح و تفصیل سے متعلق ہیں، شمائل ترمذی کا ترجمہ بہار خلد، چہل احادیث کا مجموعہ معہ تشریح نسیم جنت، حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے رسالہ ترغیب اہل سعادت (متعلق بہ فضائل درود) کا ترجمہ خیابانِ فردوس کے ناموں سے کیا۔ شغف حدیث کے سلسلے میں دیوان کافی سے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

بس آرزو یہی دلِ حسرت زدہ کی ہے
سنتا رہے شمائلِ احوالِ مصطفیٰ

ہے سعید دو جہاں وہ جو کوئی لیل و نہار
نعت اوصافِ رسول اللہ کا شاغل ہوا

اس صاحب معراج کا مداح ہے کافی
اللہ بھی مشتاق ہے جس کا شبِ معراج

بحار نعتِ مبارک کا میں ہوا غوّاص
یہی ہے میرے لیے دفتر صلاح و فلاح

گل سے الفت اور نہ مجھکو گلستاں سے اختصاص
ہے مگر مدح شفیع عاصیاں سے اختصاص

جو ہوا مشغول اوصافِ جنابِ مصطفیٰ
اس کو حاصل ہو گیا اہلِ جناں سے اختصاص

ہے جو عامل بہ سنتِ نبوی
اس کو دونوں جہاں کی دولت ہے

کیونکر نہ کروں نامِ محمد کا وظیفہ
ہے گرم اشارت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ

او ذاکر و مداح نبی، واسطے تیرے
کافی ہے یہ حجت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ

وہ دھوم دھام ہے حضرت کے نام کی کافی
جہاں میں ایسی ہوئی ہی نہیں کسی کی دھوم

رسول اللہ کے الطاف و اخلاق
پڑھے جیسے کتاب ترمذی میں

ہوا ثابت نہ ہو گا مثل ان کے
ملک جن و بشر حور و پری میں

مولانا کافی نے "شرح شمائل ترمذی" کا نظم میں بہترین ترجمہ کیا تھا، اس کا قلمی نسخہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری ساکن آنولہ ضلع بریلی ثم کراچی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ راقم السطور کا سفر پاکستان (2007ء) کے دوران قیام کراچی جانے کا اتفاق ہوا، راقم کو ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے کتب میں اس قلمی نسخہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے خود ہی ایک جگہ ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: "مولانا کفایت علی کافی کے ہاتھ کا تحریر کردہ شمائل ترمذی کا پہلا مسودہ خاکسار کے پاس محفوظ ہے۔ خاکسار کے جداعلیٰ مولانا حکیم سعید اللہ قادری سے ان کے بہت گہرے تعلقات تھے، دونوں نے بریلی اور رام پور میں ساتھ ساتھ علم حاصل کیا تھا۔" (تذکرہ علمائے ہند از مولانا رحمان علی، ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری ص:557، مطبوعہ کراچی 2003ء)

حکیم سعید اللہ قادری ساکن آنولہ ضلع بریلی شریف کے خاندانی آج بھی آنولہ میں ہیں، علم و ادب سے شغف ہے، اس خاندان سے راقم کے بھی تعلقات ہیں، علمی ذخیرہ بہت عرصہ ہوا کہ ضائع ہو گیا، پھر بھی اچھی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔

زیارت حرمین شریفین:

مولانا کافی کا محبوب مشغلہ مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ ان کا شغل پاک، وصف مدحت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھا، ذکر حبیب ان کا متاع دین و ایمان کے فرائض و عبادت کے بعد مدحت نبوی اور احادیث کا مطالعہ، اور اس کے متعلق لکھنے کا شغل ہمہ وقت کا کام تھا۔ زیارت مدینہ کے لیے بہت مضطرب اور بے چین رہا کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ کا بار بار ذکر کرتے ہیں، اور کس والہانہ انداز سے کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

ہے مدینہ کی زیارت کا جو کافی مشتاق
یہ ارادہ میرا یا رب کبھی پورا ہوگا

بلا لو مدینہ میں کافی کو اب
ترا ہے گدا یا رسولِ خدا

وجد کے عالم میں جاتا لوٹتا آنکھوں کے بل
دیکھ کر وہ گنبدِ خضریٰ مدینہ کے قریب

ایک دم کے دم میں گر چاہے خدائے روزگار

اڑ کے پہنچے کافیِ مضطر مدینہ کے قریب
ہم صفیر و مرا احوال بھی کہلا بھیجو
کوئی زوار مدینہ کو تو جاتا ہوگا
چل مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر شہر و وطن
اس مراد آباد سے کافی کہاں کا ارتباط
گرچہ ہوں اکثر غم و رنج و الم کا مبتلا
ہے مگر ہر درد سے اغلب مدینہ کا فراق
کر مری مشکل کو آساں اے کریم کارساز
ہے بلائے جان کافی اب مدینہ کا فراق
دکھا دے بلدۂ طیب دکھا دے روضۂ اقدس
دکھا دے گنبدِ خضریٰ کہ تسکین دل و جاں ہو
دکھا دے وہ بھی دن یا رب کہ حاضر ہو کے یہ کافی
جناب مصطفیٰ کے آستانہ پر غزل خواں ہو
اس روضۂ اقدس کو دکھا دے یا رب
اس کافیِ دل ریش کی یہ تجھ سے دعا ہے
مر جائے یہ کافی بتولائے مدینہ
ہو شمع لحد داغِ تمنائے مدینہ
خلت میں لطافت میں نظارت میں شرف میں
فردوس سے برتر ہے یہ اقصائے مدینہ
اللہ رے ان آنکھوں کی یہ ہے عین تمنا
دکھلائے مدینہ ہمیں دکھلائے مدینہ
کافی یہ تمنائے دلی ہے کہ دمِ مرگ
گر آہ جو کھینچوں تو کہوں ہائے مدینہ

(دیوان کافی از مولانا کافی، قلمی مخزونہ اسلامک ریسرچ سینٹر بریلی شریف)

اللہ تعالی نے مولانا کی التجا کو سن کر پورا فرما دیا، زیارت حرمین شریفین سے شرف یاب ہوئے، آپ کے تذکرہ نویسوں نے سنہ و تاریخ کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے، تاہم قرین قیاس ہے کہ 1258ھ میں حج و زیارت سے فیضیاب ہوئے کہ اسی سال التہاب شوق میں ایک مثنوی ''تجمل دربار رسالت''لکھی، یہ تاریخی نام ہے جس سے 1258ھ برآمد ہوتا ہے۔ سفر حج و زیارت کے بعد اکبرآباد معروف بہ آگرہ میں قیام ہوا۔

(پاکان امت از مولانا محمود احمد قادری، ج:2ص:357)

دیوانِ کافی میں مدینہ طیبہ سے متعلق چھ نظمیں ہیں، ان میں سے یہ تھوڑے سے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مولانا کافی کی یہ تمنا پوری فرمائی، مولانا کافی حج بیت اللہ کو گئے اور پھر مدینہ طیبہ روضۂ اقدس نبی کریم صلی اللہ یم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حاضر ہوئے، اس سلسلے میں مولانا کافی نے ایک مثنوی تجمل دربار رحمت بار لکھی ہے جو کہ منشی عبدالرحمٰن شاکر مالکِ مطبع نظامی کانپور کی کوشش سے طبع ہوئی۔

قیام آگرہ:

تحریک آزادی 1857ء سے پہلے مولانا کافی کا قیام آگرہ میں بھی کچھ مدت رہا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے حکیم غلام قطب الدین باطن نے مولانا کافی کا ذکر اپنے تذکرۂ شعراء ''گلشنِ بے خزاں''میں کیا ہے، منشی عبدالرحمٰن شاکر کی ملاقات بھی مولانا کافی سے آگرہ ہی ہوئی تھی اور وہیں انھوں نے مثنوی تجلیِ دربارِ رحمت بار مولانا کافی سے حاصل کی، مثنوی کے شروع میں منشی عبدالرحمٰن شاکر نے مولانا کافی سے اپنی ملاقات اور حصول مثنوی کے متعلق یوں نظم کیا ہے:

ہے سکوت اس جا مناسب بس ہے یہ جائے ادب
کر بیاں کچھ حال ذاتی اپنا اے شاکر تو اب
عزم کمپو سے کیا جب سوئے دہلی شریف
اور پھر اس جائے اقدس سے بعنوان لطیف
جب میاں اکبرآباد آکے میں داخل ہوا
مولوی کافی کی خدمت میں شرف حاصل ہوا
ابتدائے جلسہ سے تا انقضائے نصف شب
بس رہا آپس میں ذکرِ سرورِ خاصانِ رب
پھر اسی جلسہ میں عاصی پر ہوئی ظاہر یہ بات
جب مدینہ کو گئے تھے کافیِ والا صفات
روضۂ احمد کی واں جاکر زیارت پہلے کی
بعد ازاں احوال میں واں کے لکھی اک مثنوی
روضۂ اقدس کی کیفیت سراپا ہے رقم
کچھ نہیں ہے اس میں ذرہ کے برابر بیش و کم
سُن کے میں نے مولوی صاحب سے کی یہ بات عرض
مشتہر کرنا بھی اس کا ہے ہر اک مومن پہ فرض
گر مجھے کیجئے عنایت تو میں یہ کوشش کروں
طبع کر کے اس کو میں بھی داخل حسنات ہوں
اور جاری فیض حضرت کا بھی ہو نزدیک و دور

عاشقانِ مصطفیٰ کے دل میں ہو پڑھ کر سرور
دی جنابِ مولوی صاحب نے جب یہ مثنوی
تب بجان و دل یہ میں نے لے کے فوراً طبع کی
پڑھ کے اس کو دیں دُعا یہ مومنانِ نیک خو
شاکرِ عاصی کا یا رب خاتمہ بالخیر ہو

افسوس کہ اس مثنوی کی پہلی اشاعت دستیاب نہ ہوسکی، ورنہ کافیؔ مرحوم کے قیام آگرہ کا زمانہ بھی معلوم ہوتا۔ ہمارے پیشِ نظر 1896ء/1286ھ کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ لفظ "کمپو" سے کانپور مراد ہے، منشی عبدالرحمٰن شاکر کانپور سے دہلی جارہے تھے، اسی درمیان ملاقات کی تھی۔

مرادآباد-آغاز کار کی تفصیلات:

علاقہ روہیل کھنڈ ہمیشہ سے آزادی کا متوالا رہا ہے، بریلی میں مولانا مفتی رضا علی خاں نقشبندی بریلوی، نواب خان بہادر خاں (نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں) سرگروہ مجاہدین میں سے تھے، مراد آباد میں دوسرے خاندانوں کے علاوہ نواب دوندے خاں کی اولاد بھی تھی اور رام پور کے روہیلہ پٹھانوں نے بھی مراد آباد ہی کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، کیونکہ ریاست رام پور انگریزوں کی معاون و مددگار بن چکی تھی، لہٰذا مراد آباد میں مجاہدین کا خوب اجتماع ہوا۔ مجاہدین کے سربراہ کاروں میں مولوی مَنّو، نواب مجد الدین عرف مجّو خاں (نواب عظمت اللہ خاں فاروقی حاکم مراد آباد کے خاندان سے تھے) عباس علی خاں، اسد خاں وغیرہ (اولاد نواب دوندے خاں) نواب شبیر علی خاں اور مولانا کفایت علی کافیؔ وغیرہ حضرات تھے، جنھوں نے انگریزی حکومت کے ختم کرنے کا بیڑہ اٹھالیا تھا۔

میرٹھ میں فوج کے باغی ہوجانے کی خبریں 11 مئی 1857ء کو مراد آباد پہونچیں، اس وقت سی بی سانڈرس مجسٹریٹ مراد آباد اور مسٹر جے کمبل جوائنٹ مجسٹریٹ اور مسٹر کرا کرافٹ ولسن جج تھے، آخر الذکر اس ضلع میں سترہ سال سے تعینات تھے اور وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا جب مراد آباد کی صورت حال زیادہ تشویشناک ہوگئی تو ضلع مراد آبار کا انتظام انھیں کے سپرد کردیا گیا۔ 19 مئی 1857ء کو مراد آباد کے مجاہدین نے جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کردیا۔ فوج نے اطاعت سے انکار کردیا اور مجاہدین کی فوجی طاقت کو مضبوط کیا۔

قومی حکومت کا قیام:

ضلع مراد آباد میں مجاہدین کا بڑا جوش و خروش تھا۔ نواب مجد الدین عرف مجو خاں حاکم مراد آباد بنائے گئے، توپ خانہ نواب اسد خاں کے سپرد ہوا، نواب شبیر علی خاں فوج کے جرنیل مقرر ہوئے، مولانا کفایت علی کافیؔ "صدر شریعت" بنائے گئے اور انگریزی حکومت اٹھ جانے کے بعد احکام شرع جاری کیے گئے۔ مولوی مَنّو نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی۔ جس کا یہ اثر تھا کہ جب شہزادہ فیروز شاہ مراد آباد میں داخل ہوا ہے تو شہر مراد آباد کے سولہ ہزار آدمیوں نے بقسم شرعی ایک محضرنامے پر شرکت کے واسطے دستخط کیے تھے۔ ہر جمعہ کو مساجد میں جہاد کے واسطے وعظ کہا جاتا تھا جس کا خاطر خواہ اثر ہوتا۔ مسلمانوں نے اس علاقہ میں اسلامی حکومت کے قیام کا مستقل ارادہ کرلیا تھا۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد میں لکھا ہے:

"مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور صریح طریق پر ظاہر کیا، روہیل کھنڈ کے اضلاع کی طرح مراد آباد کے ضلع میں بھی تعصب مذہبی اور انگریزوں کی ہر بات سے انتہائی تنفر کے جذبات نے مسلمانوں کو عام بغاوت پر مشتمل کیا تھا۔" (گزیٹیر مراد آباد)

جب بریلی اور مراد آباد وغیرہ میں مجاہدین کی سرگرمیاں شباب پر تھیں اور انگریزوں نے نینی تال میں پناہ لی تھی، اس وقت انگریزوں کی حلیف ریاست رام پور نے کمشنر روہیل کھنڈ مسٹر الگزینڈر سے اجازت لیکر مراد آباد پر قبضہ کرلیا، اور مسلمانوں کی قوت کو منتشر اور کمزور کردیا۔

روہیل کھنڈ کے سیاسی حالات اور مجاہدین کی سرگرمیاں:

نواب خان بہادر خان بریلوی، جنرل بخت خاں بریلوی کا روہیل کھنڈ ریاست پر قبضہ تھا، مولانا کفایت علی کافیؔ وغیرہ مراد آباد کے سیاسی حالات کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اس دوران جو ہنگامی صورت حال پیدا ہوئی اس ہنگامہ کی پوری تفصیلات نواب کے وظیفہ یافت مؤرخ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری کی زبانی سنئے، ان کی تاریخی کتاب سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"ابتداً مراد آباد میں فوج میرٹھ کی سرکشی کی خبریں 11 مئی 1857ء کو ایک سوار لایا، پھر چاروں طرف اس قسم کی خبریں بطور راز مشتہر ہونے لگیں۔ ہنگامہ میرٹھ کی خبر سن کر مسٹر جی سی ولسن جج علی الصبح تنہا رام پور میں آئے۔"

--------------*****(جاری)

ذکرِ جمیل

سیدہ امِ کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

نام و نسب: سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحب زادی ہیں، آپ کی والدہ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب: سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب: والدہ کی طرف سے سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نسب اس طرح ہے:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔

ولادتِ باسعادت: سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعثتِ نبوی سے ۶/ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں

شعبِ ابی طالب اور سیدہ ام کلثوم: جب کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کی اور خاندانِ نبوت کو شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا تو حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے والدین اور خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ ڈھائی تین سال تک شعبِ ابی طالب کی مشکلات کا سامنا کیا۔

نکاحِ اول: آپ کا پہلا نکاح اعلانِ نبوت سے قبل ابو لہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ ابولہب کے ایک اور بیٹے عتبہ کا نکاح سیدہ رقیہ سے ہوا تھا، اس طرح دو بہنیں دو بھائیوں کے نکاح میں تھیں، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو تمام مشرکین مکہ کی طرح ابولہب اور اس کی بیوی امِ جمیل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ ابولہب نے بعثتِ نبوی اور آپ کے اعلانِ نبوت کے بعد اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور کہا: میرا اٹھنا بیٹھنا تمھارے ساتھ حرام ہے اگر تم نے اس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی۔ چناچہ دونوں بیٹوں نے اپنے والد کا حکم مانا

حضرت خدیجہ کی وفات: شعبِ ابی طالب کی مشقت اور طلاق کی اذیت کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنی والدہ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ رمضان المبارک 10 نبوی میں ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور حجون کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔

ہجرت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے تھوڑے دن بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مکہ بھیجا تاکہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ کو مدینہ لے آئیں، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت عثمان غنی کے ساتھ نکاح: سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے 3 ہجری میں ہوا، اس سے پہلے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں جو 2 ہجری میں مدینہ طیبہ میں وفات پا گئی تھیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پہلی زوجہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو انھی دنوں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہو گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیں مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے حفصہ

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

سے بہتر رشتہ بتاتا ہوں۔

پھر آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی مجھ سے کر دو، اور میں عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیتا ہوں جو رقیہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے پر غمگین ہیں۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا: خداوند تعالیٰ نے جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اسی حق مہر پر جو رقیہ رضی اللہ عنہا کا تھا، تمھارے عقد میں دے دوں۔

اور منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثوم کو مخاطب کر کے فرمایا: میں نے اس شخص کے ساتھ تمھارا نکاح کیا جو تمھارے دادا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور تمھارے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

وفات: سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چھ سال تک میاں بیوی کی حیثیت سے خوشگوار زندگی گزاری اور آخر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی شعبان ۹ ہجری میں انتقال فرما گئیں۔

غسل و کفن: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبد المطلب، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت کو غسل دیا۔

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے ہم آپ کی صاحب زادی ام کلثوم کو نہلا رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو پانی میں بیری کے پتے ڈال کر تین یا پانچ یا اس سے زائد مرتبہ ان کو غسل دو اور آخری مرتبہ تھوڑا سا کافور بھی ملا لینا اور جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کر دینا۔ جب ہم فارغ ہوئیں تو ہم نے اطلاع کر دی آپ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینکا اور کہا یہ ان کے اندر کا کپڑا بنا دو۔

(سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 1458)

حضرت لیلی بنت قائف سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا تو ان کو غسل دینے والی عورتوں میں میں بھی شامل تھی، کفن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو سب سے پہلے ازار دیا۔ اس کے بعد کرتا پھر اوڑھنی پھر چادر اور آخر میں ایک اور کپڑا دیا جو اوپر سے لپیٹ دیا گیا۔ لیلی کہتی ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر تشریف فرما تھے آپ کے پاس کفن کے کپڑے تھے جو آپ ہم کو ایک ایک کر کے دیتے جاتے تھے۔

(سنن ابو داؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1389)

نماز جنازہ و تدفین: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی، حضرت انس (رض) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی صاحب زادی (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے آنسو جاری تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ قبر میں وہ شخص اترے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو۔ (شمائل ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 305)

چناں چہ حضرت علی، حضرت ابو طلحہ، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت فضیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) کو قبر میں اتارا جانے لگا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی "ہم نے تمھیں اس مٹی سے پیدا کیا، اسی میں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے"۔ پھر جب لحد بن گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف ٹہنیاں پھینکیں اور فرمایا کہ اینٹوں کے درمیان کی خالی جگہیں اس سے پر کر دو۔ پھر فرمایا اس سے ہوتا کچھ نہیں ہے لیکن زندے خوش ہو جاتے ہیں۔ (مسند احمد: جلد نہم: حدیث نمبر 2237)

اولاد: سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

مآخذ و مراجع: (سنن ابن ماجہ، شمائل ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد، اسد الغابہ، استیعاب، مواہب اللدنیہ وغیرہ) ■■■

چراغ خانہ

عہدِ حاضر میں خواتین کی ذمہ داریاں

صبیحہ جمال صالحاتی

تبدیلی ایک قدرتی عمل ہے جو ہر دور میں جاری رہا ہے اور مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ فرد ہو، سماج ہو، قوم ہو یا ملک ہو جو بھی خود کو اس تبدیلی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہے گا وہ یا تو بہت پیچھے رہ جائے گا یا ماضی کے جنگلوں میں کہیں گم ہو جائے گا۔ دور بدلے، تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان تبدیلیوں کا اثر جہاں سماج کے ہر طبقے پر پڑا تو سماج کا اہم حصہ خواتین اس سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتی تھیں۔ انہی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے کہ گھروں میں کھانا پکانے اور سلائی کڑھائی میں مصروف رہنے والی خواتین آج آسمانوں میں جہاز اڑا رہی ہیں اور سمندر کی گہرائیوں کو کھنگال رہی ہیں۔ ترقی کے اس دور میں آج کہا جاتا ہے کہ خواتین کے پاس اب کافی وقت ہے اور خواتین کے فارغ اوقات کے بارے میں لوگوں کے درمیان دو رائے پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے زمانے میں خواتین پر زیادہ ذمہ داریاں تھیں اور وہ بہت مصروف رہتی تھیں۔ جب کہ آج کے دور میں خواتین پر اتنی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ آج کے دور میں خواتین پر زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔ آئیے اس مضمون میں ہم انھیں دو آرا پر غور کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر ہماری بہنیں اس دور میں ذمہ داریوں سے آزاد ہیں اور ان کے پاس فارغ اوقات ہیں تو ان کو کس طرح صحیح اور مثبت کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اگر ہم اپنے بچپن پر نظر ڈالیں اور اس زمانے کی خواتین کی مصروفیات کا اندازہ کریں تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں خواتین کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کب دن نکلا اور کب ختم ہوا۔ صبح فجر کے بعد سے ان کا روٹین شروع ہو جاتا تھا۔ زیادہ تر گھروں میں جھاڑو پونچھا خواتین خود کرتی تھیں۔ ان کاموں کے لیے نوکرانیوں کا تصور ہی نہیں تھا۔ کھانا بنانے کے لیے سارے موٹے مصالحوں کو سل پر پیسا جاتا تھا۔ مکسر یا گرائنڈر کیا چیز ہوتی ہے جس میں صرف سوئچ دباتے ہی منٹوں میں مصالحہ پس جاتا ہے، اس کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ ہم سبھی کی والدہ محترمہ رمضان کی آمد سے قبل اپنی آسانی کے لیے مرچیں، دھنیا گھر میں لگی ہاتھ کی چکی پر پیس کر رکھ لیتی تھیں تاکہ رمضان میں آسانی رہے۔ اسی طرح چنے کی دال پیس کر بیسن بھی گھر میں تیار کیا جاتا تھا۔ رمضان سے پہلے گھر گھر میں سوئیاں توڑی جاتی تھیں۔ اس کا میدہ تیار کر کے مشین چلاکر سوئیاں توڑی جاتی تھیں۔ ان کو رسّی پر سکھایا جاتا۔ کئی دن تک یہی کام ہوتا تھا۔ آلو کے چپس بھی گھر میں ہی بنائے جاتے تھے۔ غرض کہ رمضان کی آمد سے بیس پچیس دن پہلے سے ہی یہ تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں جب کہ آج کل یہ سب چیزیں ریڈیمیڈ موجود ہیں۔

اکثر گھروں میں کپڑوں کی دھلائی بھی گھر پر ہی ہوتی تھی۔ کچھ بڑے کپڑے دھوبی کے یہاں دھلوا لیے جاتے تھے۔ گھر کا سارا کھانا چولہوں پر بنایا جاتا تھا۔ سخت گرمی میں بھی چولہے کی تپش جھیلنی ہوتی تھی اور ساتھ ہی دھواں بھی خوب رلاتا تھا۔ غرض یہ کہ اپنے خاندان کی بزرگ عورتوں کی زندگی کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی آج کے دور میں خواتین کو بہت سی سہولیات میسر ہیں جو اُس دور کی خواتین کو میسر نہیں تھیں، جن کے سبب ان کی زندگی کا بیشتر حصہ بس انھیں مصروفیات کی نذر ہو جاتا تھا۔

اس کے برعکس آج کی خواتین کو الحمدللہ وہ سب چیزیں دستیاب ہیں جن کی وجہ سے گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ آج کل مختلف قسم کی مشینوں نے جہاں بہت سارے کام آسان کیے ہیں وہیں اوقات میں گنجائش پیدا کر دی ہے کہ وہ گھریلو کام کاج کے علاوہ

دوسرے کام بھی کر سکتی ہیں۔

ان ساری سہولیات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی خواتین وقت کی کمی کا شکوہ کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مشینی دور نے جہاں خواتین کو بہت سی سہولیات مہیا کی ہیں جس کی وجہ سے ان کے کچن کے کام آسان ہو گئے، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی، ان سارے کاموں میں بھی نوکرانیوں اور مشینوں کی سہولیات میسر ہیں وہیں ان پر کچھ دوسری ذمہ داریاں آگئی ہیں۔ بچوں کی پڑھائی، ان کا ہوم ورک کرانا، اسکول یا اسٹینڈ تک چھوڑ کر آنا، لے کر آنا، بعض گھرانوں میں مرد زیادہ مصروف ہوتے ہیں تو سبزی اور سودا لانا بھی خواتین کے ذمہ ہی ہے۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان ساری ذمہ داریوں کے باوجود بھی آج خواتین کے پاس پہلے کے مقابلے زیادہ وقت ہے۔ لیکن ان کا یہ وقت ٹی وی دیکھنے، فون پر لمبی گفتگو کرنے یا موبائل کے غیر ضروری استعمال میں ضائع ہوتا نظر آرہا ہے اور ان کو وقت کی اہمیت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

آج اگر ہماری بہنیں چاہیں تو اپنے ان اوقات کو مثبت کاموں میں استعمال کر سکتی ہیں۔ موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ سے صحیح کام لے کر اس جہان میں بھی اور آگے آنے والے جہان میں بھی اپنے لیے بہت سی چیزیں اکٹھا کر سکتی ہیں۔ موبائل میں کچھ ہم خیال گروپس بنا کر ان کے ذریعہ مختلف کام کیے جا سکتے ہیں۔ خدمت خلق کا کام کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ان کی مدد کی جا سکتی ہیں۔ بہت سی بہنیں فیس بک اور واٹس ایپ کے ذریعہ کامیاب بزنس چلا رہی ہیں، تو ان کے ذریعہ کپڑوں، جیولری اور دوسری چیزوں کا آن لائن بزنس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ بہنیں اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہیں تو آن لائن کلاسیں بھی چلائی جا سکتی ہیں۔ جو خواتین لکھنے کا شوق رکھتی ہیں تو اپنی تحریر کے ذریعہ سوشل میڈیا سے کام لے سکتی ہیں۔ اسی طرح کے اور بھی کام ہو سکتے ہیں جن کو اپنے فارغ اوقات میں کر کے اپنے ان اوقات کو دنیا اور آخرت دونوں لحاظ سے کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔

خواتین کے مسائل پر انشاء اللہ ہر پندرہ روز میں ہم گفتگو کریں گے۔ اور آگے کے مضامین میں ان مسائل پر غور کریں گے کہ خواتین نے جو معاشی ذمہ داریاں اپنے اوپر خود لاد لی ہیں اس سے ان کے بچوں، گھرانوں اور معاشرے پر کیا اثرات رونما ہو رہے ہیں۔ ■■■

(ص:16 کا بقیہ)...فی الحال مذکورہ پابندیوں کے علاوہ وہاں 18 سال سے کم عمر کے افراد کو جنازوں اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ سب کچھ انتہائی منظم طور پر کیا جا رہا ہے۔ صاف لگتا ہے کہ: "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"۔

یقیناً اس کے پیچھے اسلام دشمن تھنک ٹینک کی سازش ہے اور اس تھنک ٹینک میں یہود و نصاریٰ پیش پیش ہیں۔

جیسا کہ ہم نے بتایا کہ پابندیوں کا یہ قانون بظاہر نیا ہے، لیکن اس کی پیش بندی بہت پہلے سے ہو رہی تھی۔ اس کی تصدیق امریکی محکمہ خارجہ کی 2013 کی بین الاقوامی مذہبی آزادی کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے:

"یہ ادارہ نجی تقریبات اور جنازے کی خدمات، شادیوں اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریبات کو کنٹرول کرتا ہے، مہمانوں کی تعداد کو محدود کرتا ہے۔"

مذہبی اظہار کا ریاستی کنٹرول پہلے ہی سے ذاتی لباس اور گرومنگ تک پھیلا ہوا تھا جنوری 2014 میں، تاجکستان کی مساجد کے ائمہ حضرات کے لیے ایک سرکاری لباس (یونیفارم) بھی جبراً نافذ کیا گیا تھا، اور عبد الفتاح شفیع نے حال ہی زبردستی داڑھی منڈوانے کے کئی واقعات کے بارے میں وضاحت سے لکھا بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ 31 مارچ کو خجند جانے والا ایک سیاح اپنا راستہ بھول گیا، ایک مقامی پولیس اہلکار سے اس نے راستہ دریافت کیا تو اس پولیس اہلکار نے اسے پولیس اسٹیشن لے جا کر اس پر تشدد کیا اور اس کی داڑھی مونڈ دی۔

اسی ہفتے، انٹرفیکس نے اپنی ایک رپورٹ میں یہ بھی بتایا کہ وہاں کے سی آر اے (تاجکستانی حج کمیٹی) کی طرف سے ایک پریس کانفرنس میں کہا گیا کہ حج و زیارت کے لیے اب صرف ۳۵ سال سے زیادہ عمر کے لوگ ہی جا سکیں گے۔ سی آر اے ان لوگوں کی رجسٹریشن کا ذمہ دار ہے جو حج کے لیے سفر کرنا چاہتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب نے تاجکستان کے لیے حج کا کوٹہ 8,000 سے کم کر کے 6,300 کر دیا ہے۔

تاجکستان کو سویت یونین سے الگ ہوئے ایک مدت ہو گئی مگر سوویت سیکولرزم کا اثر ختم ہونے کے بجائے روز افزوں ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ تاجکستان کے حالیہ قانون کے پیش نظر غیر مسلم ممالک میں رہائش پزیر مسلمان مزید مشکلوں کا شکار ہوں گے اور ان کو بھی نئی نئی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خیر۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ ■■■

فکرونظر

حضرت مجدد الف ثانی کے معمولات اور تعلیمات

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

٭اگست 2024 کا عنوان — سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تحفظ ماحولیات

٭ستمبر 2024 کا عنوان — حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ - حیات و خدمات

از: عابد چشتی، جامعہ صدیہ پھپھوند شریف

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (971ھ-1034ھ) کا شمار عالم اسلام کی ان قد آور اور مایۂ ناز شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی خداداد بصیرت اور مومنانہ فراست سے نہ صرف بروقت امت میں پنپنے والے فتنوں کا سراغ لگایا بلکہ اپنی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں سے مقابلہ کرکے ان فتنوں کا رخ ہمیشہ کے لیے موڑ دیا جن فتنوں کے نامبارک اثرات نہ صرف ایک عہد بلکہ آنے والی کئی صدیوں کو اپنی چپیٹ میں لے کر گمراہیت اور بے دینی کی تاریک راہوں میں ڈالنے والے تھے جہاں اسلامیان ہند کے قافلے ان راہوں پر بھٹک کر پھر ہدایت کی ٹھنڈی روشنی کے لیے ترس جاتے۔

مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جس عہد میں آنکھ کھولی وہ بادشاہ اکبر کا عہد تھا، جس نے اپنے بعض درباریوں کے زیر اثر ایک نئے دین یعنی "دین الٰہی" کی بنیاد رکھی جو آگے چل کر خطرناک فتنے کی صورت میں اسلامیان ہند کے ایمان و عقیدے اور ان کے معتقدات کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اکبر چاہتا تھا کہ تمام مذاہب و ادیان کو ملا کر ایک ایسا دین اور مذہب متعارف کرایا جائے جس کے اندر صلح کل کی روح کار فرما ہو، اب ظاہر سی بات ہے کہ اسلام اس راہ میں خود سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتا تھا، اس لیے کہ اسلام کا مزاج ہندو مذہب کی طرح لچیلا اور صلح کل کا نہیں ہے کہ جو ہر مذہب اور تہذیب کو کھلے نظریاتی تصادم کے باوجود اپنے اندر جذب کرنے لینے کا مزاج رکھتا ہے جس نے پوری طرح اس مذہب کو تضاد کا شکار بنا دیا ہے بلکہ اسلام اپنی حدود، قوانین اور نظریات کا بالکل واضح منشور رکھتا ہے جس سے یک سر مو انحراف، صلح یا تغیر و تبدل کے امکانات کی ساری راہیں مسدود قرار دے دی گئی ہیں۔ اس احساس کے پیش نظر بادشاہ اکبر نے داخلی اور خارجی سطح پر اسلامی نظریات اور شعائر کو شاہی اقتدار کا رعب بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف چیلنج کیا بلکہ حکومت کی سرپرستی میں کھلے عام اسے مٹانے اور ان پر یک لخت قلم تنسیخ کھینچنے کی ناپاک جسارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس مہم کے تحت ہندوانہ رسم و رواج کو بے انتہا فروغ دیا گیا، شاہی دربار میں ہولی، دیوالی، دشہرہ اور دیگر کفریہ مراسم پوری شان و شوکت اور دھوم دھام سے منائے جانے لگے، رام کے ساتھ رحیم کے وجود کو ایک دکھانے کی کوشش ہونے لگی، جوا، شراب اور سود کی وہ پابندیاں جو اکبر کے دور اقتدار سے پہلے چلی آ رہی تھیں انہیں کالعدم قرار دے دیا گیا اور اس طرح ہندوستان میں مسلم حکمرانوں نے تمام تر آپسی ناچاقیوں یا ذاتی بے راہ روی کے باوجود اسلامی اقدار و روایات کی جو روایت برقرار رکھی تھی "دین الٰہی" میں ان اقدار کی عظمت و اہمیت کو زک پہنچانے کی ہر طرح شعوری کوششیں کی گئیں، خود بادشاہ اکبر نے ہندو رانیوں سے شادیاں رچائیں جنہیں مکمل اجازت اور اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے مذہبی رسوم و رواج کو بجا لاتے ہوئے دربار میں رہیں۔ گویا اکبر کے ذہن میں یہ سودا سمایا تھا کہ شرک اور اسلام کا ایک ایسا آمیزہ تیار کیا جائے جس کے ذریعے ہندوستان کی

ہندو آبادی کو اپنا ہمنوا بنا کر رکھا جا سکے اور اس طرح ان کی خوشنودی کی راہ ہمیشہ ہموار رہے۔ اکبر کی اس فکری بدمستی نے جہاں کفار کو سیاسی طور پر مستحکم کیا، امور سلطنت میں ان کا عمل دخل بڑھا اور قلعے میں ان کے اثر و رسوخ میں بے انتہا اضافہ ہوا، وہیں مسلمانوں کو معاشرتی سطح پر تنہائی کے احساس سے دوچار ہونا پڑا اور ایمان و عقیدے کی سلامتی کی فکر نے انہیں بے چین اور مضطرب کر رکھا تھا۔ یہی وہ پر خطر اور اسلام مخالف حالات تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا وجود مسعود لباس انسانی میں جلوہ گر ہوا، جب آپ نے سن شعور میں قدم رکھا اور دین الٰہی کی قیامت خیزیوں کا مشاہدہ کیا تو آپ کے اندر موجود ایمانی غیرت و حمیت جوش مارنے لگی اور شب و روز اس فکر میں گزرنے لگے کہ کس طرح الحاد کی اس آندھی کا رخ موڑا جائے اور دین الٰہی کے مکروہ ناپاک اثرات کے پھیلتے دائرے کو سمیٹا جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اکبر کے متوازی کسی شاہی خاندان میں اقتدار کا تاج سجائے ہوئے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا تعلق ایک صوفی گھرانے سے تھا اس لحاظ سے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے براہ راست شاہی اقتدار سے لوہا لینا ایک جذباتی اور غیر دانشمندانہ قدم ہوگا جس کے نتائج کبھی بھی دیرپا نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے برعکس اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ بادشاہ اپنی انا کے چلتے اصلاح و موعظت کے ممکنہ راستوں پر بھی الحاد کے پہرے مزید سخت نہ کر دے اور یوں الحاد کے خلاف ان کی کوشش ثمر وار ہونے سے پہلے ہی دم نہ توڑ دے۔

اس کے لیے حضرت مجدد نے انتہائی حکمت سے کام لیا اور براہ راست علم اصلاح بلند کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اصلاح کا مبارک سلسلہ شروع کیا اور دین کے احیا کے لیے اکبر کے دربار میں موجود ان امرا اور سلطنت کے اراکین سے روابط پیدا کیے اور خطوط کے ذریعے ان کے ذہنوں و فکر پر بڑی الحاد کی دبیز پرت کو صاف کرنے کی سعی پیہم کی جو ایک طرف اسلامی نظریات اور اعتقاد کے تئیں ترجیحی فکر کے حامل تھے اور دوسری طرف ایوان اکبری میں اپنا زبردست اثر و رسوخ بھی رکھتے تھے جس میں چند نام بہت نمایاں ہیں مثلاً: ”شیخ فرید مہابت خان“، ”عبدالرحیم خان خاناں“ اور ”خان جہان لودھی“ وغیرہ۔ اس طرح ایک طرف شاہی دربار میں آپ نے اندر ہی اندر اصلاح کی مہم پوری تندہی، اخلاص اور جذبہ ایمانی کے ساتھ جاری رکھی اور دوسری طرف معاشرے میں کمزور ہوتی اسلامی روایات اور وحدت ادیان کے پھیلتے فتنے کے خلاف عوامی سطح پر آپ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے خاص شاگردوں کی ایک مبارک جماعت تیار کی جو علم و عمل، اخلاص للّٰہیت، جذبہ ایمان، صلابت فکر، بلند ہمتی، عزم و حوصلے کی پختگی اور دین کے لیے اپنے وجود کو خطرات کی زد میں کھڑا کر دینے کا حوصلہ رکھتے تھے، جن کی تعداد تقریباً سولہ سو بتائی جاتی ہے، ملک کے گوشے گوشے میں آپ نے شاگردوں کو پھیلا کر معاشرے میں پنپتے ہوئے کفر و الحاد اور فکری آوارگی کے خلاف اصلاح کی مضبوط اور منصوبہ بند تحریک چلائی، حضرت مجدد مسلسل خطوط لکھ کر اپنے نمائندگان کی رہنمائی کرتے، آگے کی راہ سجھاتے اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے تحریک کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے ہنر دیتے۔ اس طرح آپ کی ذات نے اکبری الحاد کے ساتھ معاشرے میں پھیلی عملی بے راہ روی کے خلاف مضبوط حکمت عملی کے ساتھ دو متوازی سمتوں میں قدم بڑھایا آخر کار اخلاص نے اپنا رنگ دکھایا، مسلسل جدوجہد کا شجر ثمر وار ہوا، ایمان و یقین کی قوت کے آگے اکبری الحاد کا زور ٹوٹا، الحاد اور بے راہ روی کے اندھیرے چھٹنے لگے اور پھر ایک طویل تگ و دو کے بعد شاہی قلع کی فصیلوں پر ایمان کے چراغ جلنے لگے، باطل نظریات دم توڑ گئے، بے عملی کا نشہ کافور ہوا اور ہر طرف اسلامی اقدار اور اسلامی روایات کے کیف آگیں ہوائیں چلنے لگیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے احیائے دین اور تجدید کی جو تحریک چلائی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور آپ کی تعلیمات اور منصوبہ بند جدوجہد کی بدولت بقول مولانا مودودی کے: ”یہ ملک اور اس ملک کا مسلمان کفر کی گود میں جانے سے بچ گیا“ اگر مشیت ربانی نے بروقت دست گیری نہ کی ہوتی اور اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے مجدد الف ثانی کی شخصیت کو منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ کیا ہوتا تو آج ہندوستان میں اسلام کی حقیقی روح کہیں گم ہو گئی ہوتی اور اسلامی اقدار پر کفر و شرک کا رنگ چڑھا ہوتا، صرف چند رسوم و رواج ہی رہ جاتے اور اسلام کی حقیقی روح صلح کل کی خوشنما نظریات کی تہ میں کہیں دب کر رہ جاتی۔

حضرت مجدد قدس سرہ کی تعلیمات و ارشادات نے جس طرح اپنے عہد کے ایک بڑے فتنے کے بڑھتے اثرات پر قدغن لگایا اور ہمیشہ کے لیے فتنے کا قلع قمع فرما دیا اسی طرح آج بھی آپ کی تعلیمات اور آپ کے نصیحت آمیز ارشادات فکری اور عملی سطح پر اصلاح اور معاشرے میں

پچھلی برائیوں کے خلاف حق کی آواز ہے جس پر عمل کر کے معاشرے کو اسلامی خطوط پر چلانے کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے ارشادات کے بین السطور سے مسلم معاشرے کے تئیں تفکر واضطراب اور اصلاح کے جذبات کی فراوانی بخوبی محسوس کی جاسکتی ہے، مندرجہ ذیل سطر میں حضرت مجدد قدس سرہ کی تعلیمات اور ارشادات کے کچھ گوشے ہم نظر قارئین کرنے جارہے ہیں جس کی روشنی میں اپنے فکر وعمل کا قبلہ درست کیا جاسکتا ہے۔

شریعت سب سے پہلے: اسلام مکمل نظام حیات کی صورت میں جلوہ گر ہوا، جس نے زندگی کے پہلو اور گوشوں کو اپنی لاہوتی رہنمائی سے منور کیا، خواہ وہ زندگی کے مسرت آمیز لمحات ہوں یا پھر غم انگیز ساعت ہر موڑ پر اسلامی شریعت اپنا واضح پیغام رکھتی ہے جہاں سے ہدایت لینا ہر اس شخص پر ضروری ہے جس نے کائنات کے آخری پیغمبر کی دعوت کو قبول کر کے اسلام کے خدائی مذہب ہونے کا اقرار کیا ہے۔ مگر افسوس کہ جوں جوں زمانے کی رفتار آگے بڑھتی گئی ویسے ویسے شریعت اور مذہب سے مسلمانوں کا تعلق بھی کمزور ہوتا چلا گیا، زندگی کے ہر قدم پر نبی کریم صلی اللہ کی اتباع اور بے لوث پیروی کا تصور دھندلانے لگا اور عوام شریعت سے ناآشنا ہو کر اپنی خواہشات کی پیروی میں مصروف ہوگئی، شریعت اور دین کے تئیں اسی تساہلی، چشم پوشی اور لاپرواہی کے بطن سے آخر ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنھوں نے سلوک و معرفت کے دعوے کیے، روحانیت کے راگ الاپے مگر عملی سطح پر ان کی زندگی شریعت سے ناآشنا رہی اور اپنی اس غیر یقینی روش پر پردہ ڈالنے کے لیے بڑے زور و شور کے ساتھ یہ شوشہ عام کرنے کی شعوری کوشش کی گئی کہ شریعت و طریقت دو الگ الگ راستے ہیں، شریعت ظاہری اعمال کا نام ہے جبکہ طریقت باطنی ترقیوں اور روحانیت کے ان مدارج سے عبارت ہے جہاں پہنچ کر بندے کے لیے ظاہری اعمال بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، ایسے لوگوں کی محفلوں میں جب شریعت کی بات ہوتی ہے تو اکثر وہ یہ کہہ کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ”ہم فقیری لائن کے لوگ ہیں“ اس معاندانہ اور مذہب وملت سے متصادم نظریہ کا منفی اثر یہ پڑا کہ سادہ لوح مسلمانوں کے اندر شریعت کی تئیں حساسیت اور اہتمام کی سوچ کمزور پڑتی گئی اور آج بھی طریقت کے ان دعویداروں کی اچھی خاصی تعداد اپنے کج خمولوں میں گدیاں جمائیں طریقت کے گوہر لٹا رہی ہیں۔

حضرت مجدد مسلم معاشرے کی اس بے راہ روی سے بخوبی واقف تھے اور انہیں ان ”اللہ والوں“ کا بھی علم تھا جن کی محفلوں میں شریعت سے متصادم طریقت کی مفاہیم سادہ ذہنوں تک پہنچائے جاتے تھے اس لیے مجدد صاحب نے پوری شدومت کے ساتھ اپنی تعلیمات و ارشادات میں اس بات پر زور دیا کہ شریعت سے ہٹ کر طریقت و روحانیت کا کوئی دعوی قابل التفات نہیں اور شریعت سے یک سر موانحراف کرنے والا اگر ہواؤں پر مصلے بچھانے کی روحانی قوت بھی رکھتا ہو تو اسے ایک شعبدے سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی ہے، چناں چہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

جب تک اپنے کو پوری طرح شریعت میں گم نہ کریں اور اوامر کے بجالانے اور نواہی کے رک جانے کے ساتھ پوری طرح آراستہ نہ ہو جائیں اس دولت و نعمت کی خوشبو (سلوک و معرفت) جان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو احوال و مواجید حاصل ہو جائے تو وہ سب داخل استدراج ہیں آخر کار اس کو رسوا اور ذلیل کریں گے "

حضرت مجدد قدس سرہ انسان کی اخروی نجات کا دار و مدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی میں مانتے ہیں وہ اس نظریے کو مسلمانوں کے دل و دماغ میں بٹھا دینا چاہتے ہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا دار و مدار اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے جس کے بغیر علم وہنر، فضل وکمال، عظمت و رفعت کے دعوے بیک قلم ناقابل قبول قرار پائیں گے، فرماتے ہیں:

صاحب شریعت کے متابعت ہی وہ شئی ہے جو قیامت کے دن کام آئے گی .... سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کو کسی نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا آپ نے کہا: سب عبادتیں اڑ گئیں اور تمام اشارے فنا ہو گئے ان دو رکعتوں کے سوا جو ہم درمیان شب میں پڑھتے تھے کسی اور شئی نے نفع نہیں دیا"

شریعت پر عمل آسان ہے: انسان کی فطرت ہر سمت میں آزادی کی خواہاں ہوتی ہے، پابندیاں بہر حال اس پر گراں گزرتی ہیں مگر جب اسے اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ بغیر پابندیوں کے ایک منظم اور اچھی زندگی نہیں گزاری جاسکتی ہے تو پھر وہ اپنے وجود کو پابندیوں کا عادی بنا لیتا ہے اور دھیرے دھیرے وہی پابندیاں اسے زندگی کا خوبصورت پہلو نظر آنے لگتی ہیں اور پھر وہی انسان ایک قدم آگے بڑھ کر

انہی پابندیوں کا نہ صرف مؤید بلکہ داعی بھی بن جاتا ہے۔ آج مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد شریعت اور شرعی پابندیوں سے کوسوں دور ہے، ملحدانہ ماحول میں نشو نما نے ان کے اندر شرعی پابندیوں کے تئیں ایک حوصلہ شکن تصور جاں گزیں کر دیا ہے یعنی یہ کہ "شریعت پر عمل بہت مشکل ہے" اس تصور کا نتیجہ ہی ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو سے شریعت کی نمائندگی تقریباً ناپید ہو چکی ہے، صبح کی بیداری، رمضان کے روزے، زکات کی ادائیگی، امانت داری، سچ بولنا، پڑوسیوں کے حقوق، والدین سے حسن سلوک حلال کمائی یہ ساری چیزیں اب نفس پر بار محسوس ہونے لگی ہیں حالانکہ شرعی پابندیوں پر عمل کی مشکل ہونے کا دعویٰ راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے اس لیے کہ شریعت میں انسانی فطرت کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے اور ان میں ان برکات و فوائد کو سمیٹ دیا گیا ہے جس کا احساس شریعت پر چلنے والا قدم قدم پر محسوس کرتا ہے۔ وہ لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں مگر شرعی احکامات کی پابندیاں ان پر گراں گزرے حضرت مجدد قدس سرہ ایسے لوگوں کو باطن کا مریض قرار دیتے ہیں جو صرف اپنے باطنی مرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر شریعت سے فرار کی راہ اختیار کر کے بے دینی کی آزاد زندگی گزار کر خود کو اخروی ہلاکتوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شریعت پر مشکل نوازی کا الزام لگانے کے بجائے اپنے ہی باطن پر غور کرنا چاہیے حضرت مجدد قدس سرہ ایسے لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں:

خداوند جل شانہ کی کمال عنایت یہ ہے کہ تمام شرعی تکلیفوں اور دینی امروں میں بڑی آسانی اور سہولت کو اس کے مد نظر فرمایا ہے... اگر کوئی بے انصاف باوجود اس آسانی اور سہولت کے احکام شرعی کو مشکل اور دشوار جانے تو وہ دلی مرض میں مبتلا اور باطنی بیماری میں گرفتار ہے۔

جوانی عمل کے لیے ہے: عہد شباب میں انسان اپنی زندگی کے ان خوشگوار لمحوں سے گزرتا ہے جبکہ اس کے جسم کی طاقت و قوت اس کے اندر کے جذبات اور احساسات کو بنسبت بچپن اور بڑھاپے کے زیادہ انگیختہ کرتی ہے، جس کے نتیجے میں فطرت سے لطف اندوز ہونے کی رجحانات کا ایک ہجوم اس کے اندر موجزن ہوتا ہے اور پھر انہی رجحانات کی تکمیل کی لت اسے اپنے مقصد تخلیق سے دور، شرعی پابندیوں سے پرے، اپنی مرضی اور خواہشات کا غلام بنا دیتی ہے جہاں جوانی کے ہر مطالبے کی طرف اس کے قدم بڑھتے چلے جاتے ہیں اور پوری جوانی بے راہ روی، دین سے دوری اور خواب غفلت کے مزے لینے میں گزر جاتی ہے۔ اور جب بڑھاپا زندگی کی دہلیز پر دستک دیتا ہے تو اس وقت ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نوجوانوں کی اس رنگین مزاجی اور جوانی کی سرکش طبیعت سے بخوبی واقف ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ خداوند قدوس کی رحمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی سب سے بہتر عمر جوانی کی ہے جہاں خواہشات کی آندھیوں کے بیچ جب بندہ نفس کشی کے چراغ جلاتا ہے تو رب کی رحمت اسے اپنے حصار میں لے کر مزید اجر و ثواب کی سوغات عطا فرماتی ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو خدا کی بارگاہ میں سربسجود دیکھنا چاہتے ہیں، انہیں نوجوانوں کی بے راہ روی بے چین کرتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جوانی کہ یہ چند لمحات فانی لذتوں میں گم کرنے کے بجائے انہیں لمحات کو خدا کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی فلاح و کامیابی کے حصول میں لگا کر جوانی کو نجات کا ذریعہ بنا دیا جائے حضرت مجدد نوجوان نسل سے مخاطب ہو کر ایک جگہ فرماتے ہیں:

اے فرزند! آج جب کہ فرصت کا وقت ہے اور جمعیت کے اسباب میسر ہیں تصویف و تاخیر کی گنجائش نہیں ہے سب سے بہترین اوقات کو جو کہ جوانی کا زمانہ ہے بہترین اعمال میں یعنی مولا تعالیٰ و تقدس کی طاعت اور عبادت میں مشغول رکھنا چاہیے۔

مسلک اہل سنت سلامت رہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حیات سے پردہ فرما جانے کے بعد اسلام میں نظریاتی سطح پر بے شمار فرقے وجود میں آئے جنہوں نے اسلام کی من مانی تشریح اور توحید و رسالت کے خود ساختہ مفاہیم کو عوام کے سامنے اس قدر منصوبہ بند طریقے سے پھیلانے کی کوشش کی کہ ایک بڑی آبادی اپنے آباؤ و اجداد کے مسلک یعنی مسلک اہل سنت سے منحرف ہو کر عقیدے کے لحاظ سے اپنے ماضی کے تسلسل سے کٹ کر الگ راہ پر چل پڑی اور انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوا کہ ظاہری اعمال کی چکا چوندھ دیکھ کر وہ عقیدے کے جس راہ پر چلنے لگے ہیں اس کا انجام اخروی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے اس لیے کہ آخرت کی نجات کا مدار عقیدہ و ایمان کی درستگی پر ہے جس کا معیار مسلک اہل سنت ہے حضرت مجدد قدس سرہ مسلک اہل سنت کے تئیں حد درجہ سنجیدہ دکھائی دیتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان کی دوسری تعبیر مسلک اہل سنت سے ہی کی جاتی ہے اور وہ ایمان سے سمجھوتا کرنے کے لیے لمحہ بھر کے لیے تیار نہیں ہیں، حضرت مجدد نے اپنی

تعلیمات میں مسلک اہل سنت پر کاربند رہنے کی پر زور دعوت دی ہے، حضرت مجدد کے یہاں عقیدے کی درستگی یعنی اہل سنت کے نظریات و عقائد کی نعمت اس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ عقائد صحیحہ کی نعمت کے بالمقابل انہیں مزید مراتب و درجات سے نہ بھی نوازا جائے تب بھی وہ راضی دکھائی دیتے ہیں جبکہ مسلک اہل سنت سے ہٹ کر احوال و کوائف اور روحانیت کا کوئی مرتبہ انہیں قابل قبول نہیں ہے، مسلک اہل سنت کے تئیں حضرت مجدد کے یہ نظریات ان تمام لوگوں کو دعوت فکر دیتے ہیں جو دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے اپنے مسلک کو لے کر "ڈھلمل" رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور سب کی نظروں میں بھلا بننے کی خود غرض سوچ نے صلح کل کے مرض میں مبتلا کر رکھا ہے، حضرت مجدد کے مندرجہ ذیل کلمات ملاحظہ کیجئے جو ایمان میں تازگی کا احساس دلاتے، ہیں فرماتے ہیں:

حق سبحانہ و تعالیٰ ہم مفلسوں کو اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت کے معتقدات حقہ کی حقیت سے نوازے........ اس فرقۂ ناجیہ کی اتباع کی دولت کے ساتھ ساتھ اور جو کچھ عطا ہو جائے ہم اس پر احسان مند ہوں گے اور شکر بجالائیں گے اور اگر صرف یہ عقائد صحیح دے دیے جائیں اور احوال و مواجید کچھ بھی نا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہم اس پر راضی اور خوشی ہیں۔

شیعہ سب سے بدترین فرقہ: آج کچھ روشن خیال لوگ معاشرے میں اتحاد ملت کے بینر تلے صلح کل کے مزاج کی تشہیر اس طرح کرتے ہیں گویا مسلک کا اختلاف محض بے بنیاد یا افسانوی ہے جسے نظر انداز کر دینے میں ہی ملت کی بھلائی کا راز مضمر ہے، انہیں لگتا ہے کہ اپنے اپنے عقیدے پر قائم رہ کر ایک دوسرے سے خوشگوار تعلقات، میل جول اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں آخر مذائقہ ہی کیا ہے؟ یہاں پہنچ کر وہ اپنے جذبات کی رو میں یہ پہلو فراموش کر جاتے ہیں کہ صحبت اپنا اثر رکھتی ہے جو بہت جلد ایک دوسرے کے اندر سرایت کرتی ہے خدا رسول کے ذریعے اگر گمراہوں اور کج فکروں کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کے پیچھے محض یہ جذبہ خیر کار فرما ہے کہ تمہارے ایمان و عقیدے کہیں گمراہی کی زد میں نہ آجائیں اور اتحاد و اتفاق کی خوشنما نعرے اخروی ہلاکت کا باعث نہ بن جائیں۔ امام مجدد الف ثانی قدس سرہ بدعتی کی صحبت اور اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو کافر و مشرک کی صحبت سے بھی زیادہ خطرناک اور ایمان کے لیے زہر قرار دیتے ہیں نیز عالم اسلام میں پیدا ہونے والے تمام گمراہ فرقوں میں شیعہ فرقے کو بدترین فرقہ مانتے ہیں فرماتے ہیں:

"یقین جانیے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے برا وہ فرقہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحاب سے بغض رکھتا ہے"

مشاجرات صحابہ اور مجدد صاحب کا موقف:

صحابۂ کرام کے درمیان ہونے والے آپسی جھگڑوں اور مشاجرات کو بنیاد بنا کر روافض اور شیعہ نے امت مسلمہ کے سادہ لوح ذہنوں کے اندر صحابہ کرام اور خاص طور سے کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تئیں بغض و عناد کے جراثیم بھرنے کی جو ناپاک کوشش کی ہے وہ مذہبی تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ شیعہ فرقے کے ان سازشوں کا تسلسل آج بھی قائم ہے جبکہ صحابہ کرام کی عظمت، شرف صحبت اور قرآن و حدیث کی صریح تعلیمات کی روشنی میں اہل سنت و جماعت اور پورے عالم اسلام کا یہ موقف رہا ہے کہ مشاجرات صحابہ کے باب میں زبان کھولنا اور انہیں بنیاد بنا کر صحابہ کی شان میں تنقیص کا رخ اپنانا ناجائز و حرام اور ایمان کی ضیاع کا سبب ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ اپنے ملفوظات میں پوری وضاحت کے ساتھ اہل سنت کے اس موقف کی تائید اور اسی کو نجات کا راستہ قرار دیا ہے آج جب کہ "باسی کڑھی میں دوبارہ ابال" کے آثار دکھائی دے رہے ہیں اور شیعی نظریات کے در پردہ احیا کا کام کیا جا رہا ہے اور ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کچھ خانقاہوں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کے بارے میں نفرت و بیزاری کا کھل کر اظہار کیا جا رہا ہے ایسے حالات میں حضرت مجدد کی مسلمہ شخصیت کے مندرجہ ذیل ارشادات اور مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں ان کے موقف کی معنویت مزید بڑھ جاتی ہے جو بھٹکنے والوں کے لیے ہدایت کی روشنی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"جو اختلافات اور جھگڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں........ میں اس قدر جانتا ہوں کہ اس معاملے میں حضرت امیر سید علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف حضرت امیر معاویہ وغیرہ خطا پر تھے لیکن یہ خطا، خطا اجتہادی ہے جو ان کو فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی بھی گنجائش نہیں ہے"

حاصل کلام یہ کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے علم و عمل اور فکر و اعتقاد کے باب میں اپنی تعلیمات و ارشادات کہ وہ نقوش چھوڑے ہیں

جن پر عمل کر کے دو جہاں کی کامیابی سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے۔ خود آپ کی زندگی علم و عمل اور صالح فکر سے عبارت تھی اور اس راہ میں آپ نے جن مصائب کا سامنا کیا وہ عزم و حوصلہ اور مومنانہ یقین و ایمان کی تابندہ مثال ہے۔ مشت نمونہ از خروارے کے طور پر حضرت مجدد کی فکر و عمل اور عقیدہ پر مشتمل چند تعلیمات کا خلاصہ نذر قارئین کیا گیا ہے جو حضرت مجدد قدس سرہ کی مکمل تعلیمات سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہوں وہ مکتوبات امام ربانی کا مطالعہ ضرور کریں جس میں شریعت و طریقت، علم و عمل، عزم و یقین صدق و وفا، صبر و رضا، عقیدہ و مسلک، مذہبی حمیت و غیرت اور صالح افکار پر حضرت مجدد کی تعلیمات کے گراں قدر جواہر پارے ورق ورق پر بکھرے ہوئے ہیں۔ ❁❁

مجدد الف ثانی کی تعلیمات اور معمولات

مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت مجدّدِ الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت صوبۂ پنجاب کے مقام ''سرہند'' میں 971ھ/1563ء کو ہوئی۔ اسم گرامی: احمد، کنیت: ابو البرکات اور لقب: بدرالدین ہے۔ ۲۸ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے، اسی مناسبت سے آپ کو فاروقی کہا جاتا ہے۔

تعلیم و تربیت: حضرت مجدّدِ الف ثانی قدس سرہ نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ سے بیش تر علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے آپ کے والدِ بزرگوار اپنے زمانے کے عظیم صوفی بزرگ اور باعمل عالم دین تھے۔

والد ماجد کے علاوہ حضرت مولانا کمال کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بعض مشکل کتابیں پڑھیں، حضرت مولانا شیخ محمد یعقوب صرفی کشمیری علیہ الرحمہ سے کتب حدیث پڑھیں اور سندلی۔ حضرت قاضی بہلول بدخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قصیدہ بردہ شریف کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث کی کئی کتابیں پڑھیں۔ 17 سال کی عمر میں علومِ متداولہ سے سندِ فراغت پائی۔

بیعت و ارادت: حضرت مجدد الف ثانی نے تصوف میں سلسلہ چشتیہ کی تعلیم اپنے والد سے پائی، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم دہلی جاکر حضرت خواجہ باقی باللہ سے حاصل کی۔1599ء میں آپ نے خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کے علم و بزرگی کی شہرت اس قدر پھیلی کہ روم، شام، ماوراء النہر اور افغانستان وغیرہ تمام عالم اسلام کے مشائخ، علما اور ارادت مند آکر آپ سے مستفید و مستفیض ہوتے۔

تدریس و تصنیف: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بعض کتابوں کا درس بھی دیا کرتے مثلاً تفسیر بیضاوی، بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرحِ مواقف، عضدی مع حاشیہ میر وغیرہ۔ اسباق پڑھانے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی ظاہری و باطنی اصلاح بھی فرماتے۔

حضرت مجدد پاک نے کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں مثلاً: مکتوبات امام ربانی اثبات النبوۃ، رد روافض، رسالہ تہلیلیہ، معارف لدنیہ، شرح رباعیات، مبدا و معاد وغیرہ۔ حضرت مجدد پاک کی تصانیف شریعت و طریقت کا بہترین سنگم ہیں، ان میں علم و آگہی، سلوک و معرفت، عقائد و معمولات اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل اور اخلاقیات وغیرہ کے دروس موجود ہیں۔ آپ کے افکار و تعلیمات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ راہ حق کے متلاشیان کے لیے ان تعلیمات کی روشنی میں منزل مقصود تک رسائی آسان ہو جائے گی۔ آج کا اس پر فتن دور میں جب کہ ہر چہار جانب سے اسلامی روایات، عقائد و ایمانیات پر حملے ہو رہے ہیں اور غلط افکار، باطل رسوم کی ترویج و اشاعت کی جارہی ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ افکار و تعلیماتِ مجدد کو عام کیا جائے۔ ذیل کی سطور میں حضرت مجدد پاک کی تصنیفات سے آپ کے بعض ارشادات و فرمودات قارئین کی نذر ہیں:

ارشادات و تعلیمات:

○ نجات آخرت کا حاصل ہونا صرف اسی پر موقوف ہے کہ تمام افعال و اقوال و اصول و فروع میں اہل سنت و جماعت کا اتباع کیا جائے اور صرف یہی ایک فرقہ جنتی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے سوا جس قدر فرقے ہیں سب جہنمی ہیں۔ آج اس بات کو کوئی جانے نہ جانے کل قیامت کے دن ہر شخص اس بات کو جان لے گا مگر اس وقت کا جاننا کچھ نفع نہ دے گا۔

○ محض زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ تمام ضروریات دین کو سچا ماننے اور کفر و کفار کے

ساتھ نفرت وبے زاری رکھنے سے آدمی مسلمان ہوگا۔

○ جو شخص تمام ضروریات دین پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے لیکن کفر و کفار کے ساتھ نفرت و بے زاری نہ رکھے وہ در حقیقت مرتد ہے۔ اس کا حکم منافق کا حکم ہے۔

○ جب تک خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی نہ رکھی جائے اس وقت تک خدا اور رسول کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم)۔

○ میری نظر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ نفرت وعداوت رکھنے کے برابر اس کو راضی کرنے والا کوئی عمل نہیں۔

○ جو علم غیب اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اس پر وہ اپنے خاص رسولوں کو مطلع فرمادیتا ہے۔

○ حدیث قدسی ہے کہ حضور سید نا محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کی: اللهم أنت ، وما أنا ، وما سواك تركت لأجلك" (اے اللہ! تو ہی ہے، اور میں نہیں ہوں، اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا ہے)۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "یا محمد أنا و أنت وما سواك خلقت لأجلك" یعنی (اے محبوب میں ہوں اور تو ہے اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے ہی لیے پیدا کیا)۔

○ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: "لولاك لما خلقت الأفلاك لولاك لما أظهرت الربوبية" اے محبوب اگر تم کو پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اگر تمھارا پیدا کرنا مجھے مقصود نہ ہوتا تو میں اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ کرتا)۔

○ تمام امتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور مملوک وغلام ہیں۔

○ امت کا کوئی فرد نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

○ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت کسی بشر کی خلقت کی طرح نہیں بلکہ عالم ممکنات کی کوئی چیز بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتی، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

○ عالم امکان کو (جو تحت الثریٰ سے عرش تک کی جملہ موجودات و کائنات کا محیط ہے) جس قدر بھی دقتِ نظر کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک اس کے اندر نظر آتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بزم امکان سے بالا تر ہیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

○ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ اس لیے محبت ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔

○ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کا فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی الحق وتبلیغ اسلام کی اجرت امت پر یہی قرار دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے ساتھ محبت کی جائے۔

○ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کے ساتھ محبت رکھنی چاہیے۔ ان کے ساتھ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے۔ ان کے ساتھ عداوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت ہے۔

○ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل و اعلیٰ سید نا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ان کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ سید نا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں باتوں پر اجماع امت ہے اور اکثر علمائے اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل سید نا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ان کے بعد تمام امت میں سب سے افضل سید نا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

○ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و سید نا طلحہ و سید نا زبیر و سید نا معاویہ و سید نا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں مولا علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور یہ حضرات خطا پر لیکن وہ خطا عنادی نہ تھی بلکہ خطائے اجتہادی تھی۔ مجتہد کو اس کی خطائے اجتہادی پر بھی ایک ثواب ملتا ہے۔ ہم کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ محبت رکھنے اور ان سب کی تعظیم کرنے کا حکم ہے، جو کسی صحابی کے ساتھ بغض وعداوت رکھے وہ بد مذہب ہے۔

○ وہ شخص پرلے درجے کا جاہل ہے جو سنیوں کو محب علی نہیں مانتا اور وہ بھی پرلے درجے کا جاہل ہے جو محبتِ علی کو رافضیوں کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ حضرت علی کی محبت رفض نہیں، خلفاے ثلاثہ سے بغض رکھنا اور ان پر تبرا کرنا رفض ہے۔

○ جو لوگ کلمہ پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں، اللہ عزوجل نے ان کو کافر کہا ہے۔

○ انبیا و اولیا کی پاک روحوں کو عرش سے فرش تک ہر جگہ برابر کی نسبت ہوتی ہے۔ کوئی چیز ان سے نزدیک و دور نہیں ہوتی۔

○ مقلد کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے امام کی رائے کے خلاف قرآنِ عظیم و حدیث شریف سے احکامِ شرعیہ خود نکال کر ان پر عمل کرنے لگے۔ مقلدوں کے لیے یہی ضروری ہے کہ جس امام کی تقلید کر رہے ہیں ،اسی کے مذہب کا مفتیٰ بہ قول معلوم کر کے اسی پر عمل کریں۔

○ جو شخص حرام فعل کو اچھا سمجھے وہ مسلمان نہیں رہتا بلکہ مرتد ہو جاتا ہے۔

○ خدا اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ میل جول بڑا گناہ ہے ، خدا اور رسول کے دوستوں کے ساتھ دوستی محبت اور دشمنی عداوت تک پہنچا دیتی ہے۔

○ اے سعادت مند (سب سے پہلے) ہم پر آپ پر لازم ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح کریں، جس طریقہ (پر کہ) علمائے اہل حق نے کتاب و سنت کو سمجھا ہے اور اس سے اخذ کیا، اگر ہمارا اور آپ کا سمجھنا ان بزرگوں کے فہم اور رائے کے موافق نہیں ہے تو وہ حدود اعتبار سے ساقط ہے، کیوں کہ ہر بدعتی اور گم راہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنت کے احکام کے مطابق سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے۔ دوسرے احکام شرعیہ حلال و حرام ، فرض و واجب کا علم حاصل کرنا۔ تیسرے علم کے مطابق عمل کرنا۔ چوتھے تصفیہ و تزکیہ جو کہ خاص صوفیۂ کرام کے ساتھ مخصوص ہے لہذا جب تک اپنے عقائد کو درست نہ کریں، احکام شرعیہ کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا اور جب تک یہ تینوں (عقائد، علم شریعت اور علم کے مطابق عمل) میسر نہ ہو جائیں تزکیہ و تصفیہ کا حاصل ہونا محال ہے۔

○ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔"

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔"

لہٰذا لازمی طور پر حق جل و علا اور تمام حقائق کے درمیان آپ واسطہ ہیں، اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک وصول محال ہے۔ پس آپ انبیا و مرسلین کے نبی ہیں اور آپ کا بھیجنا تمام جہان والوں کے لیے رحمت ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیائے اولو العزم اصالت کے باوجود آپ کی اتباع کے خواہاں ہیں اور آپ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے امتیوں میں داخل ہونے کے آرزومند ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

○ جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی عالم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ (ان کے) منکر ہو گئے، اور جن سعادت مندوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت اور رحمت عالمیان کے عنوان سے جانا اور باقی تمام لوگوں سے ممتاز دیکھا، وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پا گئے۔

○ علما کے لیے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت کرنا ان کے جمال کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ ان سے بہت سے فائدے حاصل ہوئے ہیں، لیکن ان کا علم ان کے اپنے حق میں نفع بخش نہ ہوا۔ یہ علما (علمائے سو) پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبے، لوہے کی جو چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے سونا ہو جاتی ہے، اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے۔ بے شک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا مستحق وہ عالم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ دیا۔

○ گناہوں کی تاریکی اور آسمان سے نازل شدہ احکام خداوندی سے لاپرواہی کرنے والا کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا سے نور ایمان سلامتی سے لے جائے گا۔ علمائے دین نے فرمایا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار گناہ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور گناہ کبیرہ پر اصرار کفر تک لے جاتا ہے۔

○ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ بامقصد کاموں میں مشغول ہو اور بے مقصد کاموں سے اعراض کرے لہٰذا اوقات کی محافظت کے بغیر چارہ نہیں ، بے فائدہ کاموں میں وقت ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دشمن کا حصہ قرار دے کر خاموشی اور باطنی نسبت کی حفاظت کرنی چاہیے۔

○ موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے علومِ شرعیہ کی تحصیل اور ان کے مطابق عمل میں مشغول رہیں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ قیمتی عمر بے فائدہ اور لایعنی کاموں میں ضائع نہ ہو۔

○ زندگی کی فرصت بہت تھوڑی ہے اور ہمیشہ کا عذاب آنے والا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی فرصت کو بے ہودہ امور کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور ہمیشہ کا رنج والم خریدے۔

گوشۂ ادب

حُسن تحسینِ حسن

اُستاذِ زمن کی نعتیہ شاعری کا آئینہ دار

پروفیسر محمد یاسر رضا باندوی

امام احمد رضا بریلوی بلا شبہہ بیسویں صدی کے بڑے عظیم نعت گو شاعر گزرے ہیں، آپ کو حسّان الہند کا مقام حاصل ہے۔ آپ نعتیہ شاعری کے سر تاج اور اس فن کی عزت و آبرو کے ساتھ ساتھ، نہ صرف سخنورانِ عجم کے امام کہے جاتے ہیں بلکہ امام الکلام کے لقب سے ہر محفل نعت میں یاد کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے برادرِ اصغر علامہ حسن رضا بریلوی کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد، انہیں بھی بلا تردد اردو کا ممتاز نعت گو شاعر قرار دیا گیا ہے۔ اور انھیں استاذ زمن اور شہنشاہ سخن کے اعلیٰ لقب سے پکارا جاتا ہے۔ ہر عام و خاص قاری کی نگاہ میں اُستاذ زمن کے کلام کی مقبولیت، اپنے بھائی مولانا احمد رضا بریلوی کی طرح ہی، نہ صرف علمی وسعتوں کے عرض و طول پر پھیلی ہوئی ہے بلکہ کرۂ ارض کے ایک وسیع برِ اعظم میں منعقد ہونے والی تمام محافل نعت کے ہر ممبر کی خط استوا کی حیثیت سے، احاطہ کرنے میں کافی و وافی قد و قامت رکھتی ہے۔ آپ کے نعتیہ دیوان ”ذوق نعت“ میں جہاں فصاحت و بلاغت کے عناصر اور تغزّل کے رنگ کی بھر پور آمیزش ہے، وہیں پیکر تراشی، استعارہ سازی، تشبیہات، اقتباسات، صنائع معنوی، حُسنِ تعلیل وحُسنِ تشبیب، حُسنِ طلب وحُسنِ تضاد، لف ونشر مرتب ولف ونشر غیر مرتب، تجانیس، تلمیحات، تلمیعات، اشتقاق، مراعاۃ النظیر وغیرہ صنعتوں کی جلوہ گری بھی، پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ آپ کے دیوان میں نعت کے ضروری لوازم کے استعمال سے مدحِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی کامیاب ترین کوششیں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ علامہ حسن رضا بریلوی کی بعض نعتوں کو اردو ادب کا اعلیٰ شاہ کار قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ کا پورا کلام خود آگہی، کائنات آگہی اور خدا آگہی کے آفاقی تصور سے ایسا لبریز ہے کہ آپ اپنے سے اگلے بزرگوں کے خود شناسی و خدا شناسی کے اُس مشہور و معروف قول پر پورے طور سے پہلے خود عمل پیرا ہوئے اور پھر اپنے کلام کو اس کا جیتا جاگتا نمونہ بنا کر پیش کیا۔ جس کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی
کہ او پیداست تو زیر نقابی
تلاش خود کنی، جز او نہ بینی
تلاش او کنی، جز خد نہ یابی

(مفہوم: تجھے کس کی تلاش ہے؟ کیوں ہر وقت پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے کہ وہ تو (ذرّے ذرّے سے) نمودار (عیاں) ہے اور تو بے نمود ہے۔ لہٰذا جب تو اسے تلاش کرے گا تو خود آگاہی سے آشنا ہو گا اور جب خود کو تلاش کرے گا تو خدا آگاہی کی منزل پر فائز ہو جائے گا)

یہی وجہ ہے کہ علامہ حسن رضا بریلوی کی آل میں، وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جن کی شخصیت کی تابشیں آنے والی کئی صدیوں تک جولہ باری کرتی رہیں گیں۔ اور پھر کیوں نہ ہو؟ آپ نے اسی خود آگاہی اور خدا آگاہی پر، سادہ مزاجی سے اپنی اولادوں کی تربیت کی اور اپنے لاڈلے "صاحب" کو بھی یہی گھٹی پلائی اور پھر انہوں نے اپنی اولادوں کو بھی یہی جام پلایا اور حکیم الاسلام مولانا حسنین میاں" صاحب" کی اولادوں نے بھی یہی جام پیا- اور ایسا پیا کہ ان کے افعال و کردار سے نورانیت ظاہر ہوتی تھی اور یوں لگتا تھا کہ بیک زبان سب یہ اعلان کر رہے ہوں:

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الّا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

اسی خمیر اور اسی گھٹی کی بنیاد پر، حسن بریلوی کی شاعری میں موجود یہ تمام ملکہ، تسلسل کے ساتھ آپ کے پوتوں میں بھی چلا آرہا ہے:

"مگر ان میں تحسین رضا خان کا جواب نہیں"

از مفتی اعظم ہند

یعنی ع

تحسین رضا واقعی تحسین رضا ہے

از تاج الشریعہ

آپ کی شخصیت پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت یعنی مولانا شاہ مصطفی رضا خان بریلوی کا فیض اتنا ٹوٹ کر برسا ہے کہ آپ آج بھی اہل دل کے نزدیک "مظہرِ مفتی اعظم" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کی ہستی مفتی اعظم ہند کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ آپ نے مفتی اعظم ہند کی حیات ظاہری میں اور اس کے بعد بھی نہ صرف قال اللہ و قال الرسول کا درس دیا، بلکہ سادہ مزاجی کے ساتھ، مختلف تبلیغی دورے بھی کیے۔ علاوہ ازیں مختلف کتب کی تصحیح وغیرہ کا کام بھی آپ ہی کے ذمّے رہتا تھا۔ اپنی اس قدر مصروفیات و تبلیغ دیں کے ساتھ ساتھ، آپ نے مدح رسول کے ایسے زندۂ جاوید نقوش چھوڑے ہیں کہ جو اپنے آپ میں استاذ زمن شہنشاہ سخن مولانا حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا جیتا جاگتا نمونہ نظر آتے ہیں۔ صدر العلما محدث بریلوی کی شاعری کو بغور ملاحظہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جامعیت کے اعتبار سے نہ صرف فکر اپنے دادا جان کی ہے بلکہ لہجہ بھی وہی ہے۔ راقم کو تو اس خاندانی تسلسل کے جلوہ کی تصدیق امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں بھی نظر آئی، خود ملاحظہ کریں:

یافت حَسن حُسن تحسیں
از حسان در ذکر حسیں
گفت رضاؔ تاریخ چنیں
نعت اشرف قبلہ دیں

(قطعہ تاریخ سال تالیف کتاب مستطاب نگارستان لطافت، ارمغان رضا جدید اور حدائق بخشش حصہ سوم)

کلامِ رضا کے مذکورہ اشعار، لکھنے تو کسی دوسرے موضوع پر گئے تھے مگر اس وقت یہ استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی سے تحسین رضا خان بریلوی تک کے نعتیہ کلام کے علمی تسلسل کو باندھنے کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔ ان اشعار میں خاص بات یہ ہے کہ اس کلام میں تسلسل کے ساتھ استاذ زمن کا نام حسنؔ، پھر تحسینؔ، اور پھر حسانؔ استعمال ہوا ہے اور بعدہٗ ان سب کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے، مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بطور نعت کے پیش کیا ہے۔ اس بات کی وضاحت نواسۂ تحسین ملت مولوی حسن رضا بریلوی کے اس شعر سے ہوجاتی ہے:

وحدت ماخذ کا ہے شاید حَسن اس میں اثر
حُسن تحسینِ حَسن جو تیرا حصّہ ہو گیا

(شنیدہ بر محفل عرس صدر العلماء)

نعت گوئی اہل دل کا ہی مقدر ہے۔ محبت رسول کی چاشنی سے ان کے قلوب معطر ہوتے ہیں تب جا کر جگر سوز الفاظ نوکِ قلم سے نکلتے ہیں اور ایمانی جذبے کو تجدید نو بخشتے ہے۔ اور پھر نبیرۂ استاذ زمن کا قلم! جن کی گھٹی میں ہی عشق رسول کی چاشنی گھول کر پلائی گئی ہو، ان کی فکر سے نکلنے والے اشعار کیوں نہ عقیدۂ اہل سنت کے موافق ہوں گے؟ اپنے دادا جان کی طرح آپ کے بھی ذہن و فکر میں بزم محشر (یعنی قیامت) اپنے آقا کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہی ہے، استاذ زمن کا یہ شعر دیکھئے:

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

اسی فکر کو عقیدت کے پیرائے میں ڈھال کر نبیرۂ استاذ زمن یوں فرماتے ہیں:

جس کو کہتے ہیں قیامت حشر جس کا نام ہے
در حقیقت تیرے دیوانوں کا جشن عام ہے

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ دلائل اور عقیدۂ حق کے مطابق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ المعروف شفاعت کبریٰ وہ مقام محمود ہے، جس پر بروز محشر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوں گے، ساتھ ہی گنہگاروں کے لیے بھی سعادت ہوگی بلکہ پرہیز گار بھی، آپ کی شفاعت پانے کی تمنا کریں گے۔ جیسا کہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ

اسی عقیدۂ حق کی توثیق استاذ زمن مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور گنہگانوں کو خوشخبری سنائی ہے، جس کا تائیدی تبصرہ بشکل اظہار مسرت علامہ تحسین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام کے ذریعہ کیا ہے، استاذ زمن کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

وہ شفاعت کو چلے ہیں پیشِ حق
عاصیو تم کو مبارک باد ہے

علامہ تحسین رضا خان رحمۃ اللہ کا، اس پر تائیدی تبصرہ بشکل اظہار مسرت، ملاحظہ کریں:

آرہے ہیں وہ سر محشر شفاعت کے لیے
اب مجھے معلوم ہے، جو کچھ میرا انجام ہے

علامہ تحسین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

دلِ تحسینؔ سے غم کی گھٹائیں چھٹ گئیں آقا
سنا ہے جب سے اس کے شافع روز جزا تم ہو

جس قدر جامعیت اس عقیدۂ شفاعت میں پائی جاتی ہے کہ تحسین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں، شفاعت پر صرف یقین ہی نہیں بلکہ مسرت کا اظہار یوں ملتا ہے کہ جیسے محشر میں حضور کی تشریف آوری کو اپنے ماتھے کی نگاہوں سے ملاحظہ فرما رہے ہوں۔ اس طرح حد درجہ غیب پر یقین استاذ زمن کے کلام کی عادتِ خاص ہے۔ جیسے آپ کے اسی مشہور و معروف کلام کو ہی دیکھیں کہ از مطلع تا مقطع، محفل حشر کی ایسی منظرکشی کی ہے کہ جیسے بعینہ ملاحظہ فرما رہے ہوں، چند نمونہ کلام یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

تمھارا نام مصیبت میں جب لیا ہوگا
ہمارا بگڑا ہوا کام بن گیا ہوگا
کسی کے پاؤں کی بیڑی وہ کاٹتے ہونگے
کوئی اسیر غم ان کو پکارتا ہوگا
کبھی قریب ترازو کبھی لب کوثر
کوئی صراط پر ان کو پکارتا ہوگا
عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے
خدا گواہ یہی حال آپ کا ہوگا
میں انکے در کا بھکاری ہوں فضل مولا سے
حسنؔ فقیر کا جنت میں بسترا ہوگا

اردو نظم نگاری میں ایسی نادر و نایاب مثالیں کثرت سے دیکھنے کو ملتی ہیں، جس میں کلام میں ایسی حساسیت موجود ہو کہ پڑھنے والا بھی ان نظاروں کا عینی شاہد ہو جائے۔ مگر نعتیہ نظم میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اب گر لفظ نظم پر نظر ڈالیں تو لامحالہ تسلسل کی طرف ذہن جاتا ہے اور نعت گوئی کی روحانی دنیا میں، انبیاء کا آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا ختم ہونا بھی ایک نظم ہی ہے۔ جس کو نظم رسالت کہا جاتا ہے۔ یہ تمام روحانی و علمی بحث تخیل کہلاتی ہے، کیوں کہ رسالت کا مقام سارے عہدوں سے وراالوراء ہے۔ اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا وقت اور ان کے جسمِ پر نور کا خمیر اور تمام حقیقی خوبیاں بیان کرنا انسانی عقلوں کے بس میں نہیں۔ بس یوں سمجھنا چاہیے کہ کائنات کی تمام خوبیوں کو، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کے صدقے ہی، خوبی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ورنہ خوبی خواب تک میں نہ ہو پاتی، اسی لیے استاذ زمن اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

اے نظم رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع
تو نے ہی اسے مطلع انوار بنایا

اسی نکتے پر علمی تبصرہ کرتے ہوئے، علامہ تحسین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

پیمبر کی حقیقت کو کوئی تحسین کیا سمجھے
جو مقطع ہے تخیل کا وہ مطلع ہے نبوت میں

دوسری جگہ اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے نبیرۂ استاذ زمن یوں رقم طراز ہیں:

حقیقت آپ کی سمجھیں تو کیا سمجھیں خرد والے
خدا والے یہ کہتے ہیں خدا جانے کہ کیا تم ہو
تمھاری واقعی توصیف ہم سے غیر ممکن ہے
کہ ہم جو کچھ کہیں اس سے حقیقت میں سوا تم ہو

تیسری جگہ اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے نبیرۂ استاذ زمن یوں رقم طراز ہیں:

کرے مدح شہ والا، کہاں انساں میں طاقت ہے

مگر ان کی ثنا خوانی تقاضائے محبت ہے
بدل سکتے ہیں حالات زمانہ آج بھی تحسیں
مگر ان کی نگاہ فیض ساماں کی ضرورت ہے

الغرض سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ابر کرم ہے جس کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں، اس ابر کے چند چھینٹے ہی ہم غلاموں کے جام کو لبالب بھر دیتے ہیں، جیساکہ استاذ زمن فرماتے ہیں:

الٰہی تشنہ کامِ ہجر دیکھے دشتِ محشر میں
برسنا ابرِ رحمت کا، چھلکنا حوضِ کوثر کا

مذکورہ اشعار پر تبصرہ یوں کیا جاتا ہے کہ اس ابر رحمت سے جام وحدت، عقیدۂ توحید سب منسلک ہے۔ اسی لیے تو فقط ان کے نام پاک کا ورد ہی اس تشنگی کو بجھانے کے لیے کافی ووافی ہوجاتا ہے۔ اس وضاحت کی عکاسی علامہ تحسین رضاخان رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

ساقیِ کوثر کا نام پاک ہے ورد زباں
کون کہتا ہے کہ تحسین آج تشنہ کام ہے

نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورد سے ہر کام بن جاتا ہے ۔جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے تو درود پاک کے ورد سے مشکل کشائی ہوجاتی ہے، بلائیں ٹل جاتی ہیں، دکھ درد سب دور ہوجاتے ہیں۔ یہ سب نوازشیں اِسی جانِ آدم و جانِ عیسی محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیں، اسی لیے استاذ زمن اپنے آقا سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وجان سے اپنا مسیحا تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے کہ اس شعر میں ہے:

مرہی جاؤں میں اگر اُس دَر سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قربِ مسیحا چھوڑ کر

اسی کی تائید علامہ تحسین رضاخان رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور زمانہ کلام کے اس شعر میں ملاحظہ کریں:

وہ یوں تشریف لائے ہم گنہ گاروں کے جھرمٹ میں
مسیحا جیسے آ جاتا ہے بیماروں کے جھرمٹ میں

یعنی آقا کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مسیحا ہیں کہ جن کے ناخن بھی مشکل کشائی کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے قدموں کی خاک تو خاک شفا ہے، اُن کے قدموں کی برکت سے ہی حرمین، طیبین ہوئے تو پھر ان کے شہر مدینہ کا کیا مقام ہوگا؟ وہ شہر جو آقا کا مسکن ہے، غلام کو اس سے اتنی حد درجہ محبت ہوتی ہے کہ ہر امّتی کے دل میں مدینہ رہتا ہے اور ان امتیوں میں چند خوش نصیب وہ ہیں جن کے دل میں مدینہ کی محبت اور اُس کا تصور اس قدر رچابسا ہے کہ وہ خود کو ہر وقت مدینے میں ہی پاتے ہیں۔ اسی لیے استاذ زمن یوں رقم طراز ہیں:

قریب طیبہ بخشے ہیں تصور نے مزے کیا کیا
مرا دل ہے مدینہ میں مدینہ دل کے اندر ہے

اسی بات کی نشاندہی تحسین ملت نے اپنے اس شعر میں کی ہے:

مدینہ سامنے ہے بس ابھی پہنچا میں دم بھر میں
تجسس کروٹیں کیوں لے رہا ہے قلب مضطر میں

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ عقیدہ استاذ زمن کو وراثت میں ملا تھا، جابجا اس کی تائید و توثیق آپ کے کلام میں ملتی ہے ملاحظہ کریں:

طور پہ جلوہ دکھایا ہے تمنائی کو
کون کہتا ہے کہ اپنوں سے ہے پردہ تیرا
چاک ہوجائیں گے دل جیب و گریباں کس کے
دے نہ چھپنے کی جگہ راز کو پردہ ترا
اب جماتا ہے حسن اس کی گلی میں بستر
خوب رویوں کا جو محبوب ہے پیارا تیرا

اسی بات کو اپنے کلام میں علامہ تحسین رضاخان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جابجا ظاہر کیا ہے ان کا ایک مشہور قطعہ ملاحظہ ہو:

علم غیب رسول کے منکر
اک حقیقت کو بھول جاتے ہیں
غیب مانا کہ راز ہے لیکن
راز اپنوں سے کب چھپاتے ہیں

اسی طرح استاذ زمن کے مشہور و معروف کلام کشفِ رازِ نجدیت کے پیرو ہوکر آپ کے نبیرہ بھی جابجا ردّ وہابیت کرتے نظر آتے ہیں:

تلاشِ جذبۂ ایمان عبث ہے کینہ کاروں میں
وفا کی جستجو اور اِن جفا کاروں کے جھرمٹ میں

حضرت صدر العلما ایک باکمال شاعر تھے اور آپ نے خوب شاعری فرمائی۔ آپ ابتدا سے ہی اس کی مشق کی تھی، جس کی کئی مثالیں دیکھی گئی ہیں۔ اشعار کے آبگینوں میں اپنے جذبۂ دینی، ملی دردمندی اور عشقِ نبوی کی شرابِ طہور انڈیلی اور لفظوں کے جام بھر بھر کر عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مے خواروں کو، ہونٹوں سے لگانے کی دعوت دی۔ آپ کے بہت سارے اشعار آپ کے عہد طفلی میں ہی، اُس وقت کے کئی رسالوں میں شائع ہوئے اور اہل علم میں بھی بہت مقبول ہوئے۔ جب بھی ان دلنشیں اشعار کو وقت کے بڑے علماء کے سامنے پڑھا جاتا، تو یہی گمان کرتے کہ استاذ زمن کا کلام ہے۔ مگر جب مقطع پر پہنچتے تب معلوم ہوتا کہ یہ تو نبیرۂ استاذ زمن تحسین رضا کا کلام ہے۔ پاکستان کے کچھ رشتہ داروں سے راقم تک یہ بات پہنچی ہے کہ تحسین ملت شروعاتی مشق کے دوران، حضور محدث اعظم مفتی سردار احمد صاحب کو اپنے کلام دکھایا کرتے تھے اور اکثر ان کو بھی یہی شبہ ہوتا تھا کہ یہ استاذ زمن کا کلام ہے۔ اس بات کی تصدیق ماسٹر حسین صاحب ساکن کانکر ٹولہ بریلی شریف نے کی اور بعد میں اشرف الفقہا مفتی مجیب اشرف صاحب کے ذریعہ بھی اس بات کی تصدیق راقم کے پاس آئی ہے کہ وقت کے متعدّد اکابر علمائے کرام کی زبانِ فیضِ ترجمان سے، ایسے ہی جملے سنے گئے۔ اسی ضمن میں میرے استاد محترم مولانا صغیر اختر مصباحی مد ظلہ العالی کا بیان سنیں جس کے بعد کسی دلیل کے ضرورت نہیں ہوگی:

”ایک مرتبہ جب آپ نے اپنی لکھی ہوئی درج ذیل نعت پاک مفتی اعظم ہند کی موجودگی میں سنائی، تو حضرت بہت محظوظ ہوئے جب مقطع پڑھا تو حضرت نے برجستہ فرمایا! اچھا! تو تمھارا کلام ہے! میں تو سمجھ رہا تھا کہ چچا جان (استاذ زمن) کا کوئی غیر مطبوعہ کلام ہے“

(صدر العلماء اپنے اشعار کے آئینے میں، محدث بریلوی نمبر، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی ص 487 تا 492)

جس کو کہتے ہیں قیامت حشر جس کا نام ہے
در حقیقت تیرے دیوانوں کا جشن عام ہے
آرہے ہیں وہ سر محشر شفاعت کے لیے
اب مجھے معلوم ہے جو کچھ میرا انجام ہے
تو اگر چاہے تو پھر جائیں سیہ کاروں کے دن
ہاتھ میں تیرے عنان گردش ایام ہے
روئے انور کا تصور، زلف مشکیں کا خیال
کیسی پاکیزہ سحر ہے کیا مبارک شام ہے
دل سے یہ کہہ کر رہ طیبہ میں بہلاتا ہوں میں
آگئی منزل تیری بس اور دو اک گام ہے
ساقی کوثر کا نام پاک ہے ورد زباں
کون کہتا ہے کہ تحسین آج تشنہ کام ہے

الغرض علامہ تحسین بریلوی کی شاعری اور ان کی شاعرانہ فکر میں، وہی بلندی و تخیل پایا جاتا ہے جو ان کے دادا حضور کی شاعری کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ ادادا جان کی طرح آپ کی نعتیہ شاعری میں بھی جذبے کا وہی تقدس اسی طرح موجود ہے کہ جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ شاعر نے شاعری نہیں کی بلکہ شعر نے خود شاعر سے کہلوایا۔ اس بات کی وضاحت کے لیے مختلف جہتوں سے نبیرۂ استاذ زمن کے اشعار کو پیش کر کے کلام کی فنی وفکری مماثلت استاذ زمن کے کلام سے کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ سب حجتیں، حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے قول فیصل کے سامنے ہیچ ہیں، جو انہوں نے حبیب رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

تحسین رضا خان گل سر سبد ہیں! جانتے ہو گل سر سبد کیا ہوتا ہے؟

مالی جب اپنی ٹوکری سجاتا ہے تو جو پھول سب سے اوپر نمایاں طور پر رکھتا ہے، وہی گل سر سبد ہوتا ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے گلِ سر سبد علامہ تحسین بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری، حقیقت میں اپنے دادا جان استاذ زمن حسن بریلوی کی شاعری کی آئینہ دار ہے۔ اِس لحاظ سے آپ کا کلام بھی گلِ سر سبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے قلیل مطالعے کے مطابق جس طرح استاذ زمن کی ذوق نعت، اعلیٰ حضرت کی حدائق بخشش کی ترجمانی کرتی ہے اور آسان زبان میں اشعار کے معنی و مفہوم کی فہم میں معاون ہے، ٹھیک اسی طرح صدر العلماء محدث بریلوی کی گلہائے بخشش، استاذ زمن کی ذوق نعت کا مظہر ہے۔

■■■■■

نقدونظر

الأدلة الباهرة في كتابة الامير معاويه

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک معتبر کتاب

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

مملکت خداداد پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع اٹک کی تحصیل حسن ابدال کے معروف قصبے برھان شریف کے محلہ اکزائی میں پٹھانوں کے قبیلہ اکزائی کی معروف شخصیت شیر احمد مرحوم (م:1429ھ/2008ء) کے ہاں 13 شوال المکرم 1410ھ/9 مئی 1990ء میں ایک فرزندارجمند کی ولادت باسعادت ہوئی جس کا نام عادل خان تجویز ہوا۔ جسے اب دنیائے علم وعرفاں میں علامہ ابوہریرہ عادل خان قادری مدنی عطاری کے نام سے شہرت عام حاصل ہے۔

آپ نے علومِ اسلامیہ کے حصول کے لیے سب سے پہلے جامعۃ المدینہ واہ کینٹ میں داخلہ لیا اور یہاں درجہ رابعہ تک پڑھا، جامعۃ المدینہ فیضانِ مدینہ اڈیالہ روڈ راولپنڈی میں درجہ خامسہ سے درجہ سابعہ تک پڑھا، درمیان میں تین چار ماہ فیضان مدینہ کراچی میں گزارے اور پھر 1436ھ/2015ء میں جامعۃ المدینہ جوہر ٹاؤن لاہور سے دورۂ حدیث شریف کیا اور سند فراغت حاصل کی۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعۃ المدینہ فیضان مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ جی الیون اسلام آباد میں تدریس کا آغاز کیا اور 1437ھ/2016ء میں جامعہ غوثیہ رضویہ المعروف بہ جامعہ اسلام آباد میں علامہ ڈاکٹر مفتی محمد ظفر اقبال جلالی سے تخصص فی الفقہ کیا۔

آپ نے جن مشاہیر اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا ان میں قاری محمد یاسر عطاری، علامہ مولانا مفتی آصف محمود مدنی، علامہ مولانا بابر مدنی، علامہ مولانا مفتی عابد خان مدنی، علامہ مولانا استاد جیلان مدنی، علامہ مولانا مفتی شجاعت کیانی، علامہ مولانا محمد وسیم مدنی، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مولانا احمد اللہ مدنی، علامہ مولانا قدرت اللہ مدنی، شیخ الحدیث والتفسیر شارح ترمذی، مصنف کتب کثیرہ مفتی ہاشم خان مدنی، شیخ الحدیث والتفسیر ماہر علم حدیث، علامہ مولانا مفتی حسان مدنی اور علامہ مولانا مفتی ظفر اقبال جلالی کے اسمائے گرامی نہایت ہی روشن اور نمایاں ہیں۔

1438ھ/2017ء میں آپ نے گوجرخان کا رخ کیا اور اب مرکزی جامعۃ المدینہ سکیم 2، نزد سرور شہید کالج گوجرخان میں درس و تدریس سے منسلک ہیں اور جامع مسجد مرکز فیضانِ مدینہ گلیانہ گوجرخان میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

1440ھ/2019ء میں آپ نے اپنی والدہ ماجدہ یاسمین اختر مرحومہ مغفورہ (م:1443ھ/2022ء) کے ہمراہ حرمین شریفین کا سفر کیا، عمرہ کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری سے سرفراز ہوئے۔

زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کو نعت خوانی سے شغف رہا ہے۔ آپ خوش الحانی سے جب بھی نعت شریف پڑھتے ہیں تو سامعین پر محویت طاری ہوجاتی ہے۔

ماشاءاللہ، آپ نے اپنی دینی لگن اور محنت سے تھوڑے سے عرصے میں اہل سنت کے علمی وفکری حلقوں میں اپنا مقام بنایا ہے۔

آپ نے ایک حافظ قرآں، خوش الحان نعت خواں، مبلغ دوراں اور مقرر شعلہ بیاں کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا ہے۔

الادلۃ الباہرہ فی کتابۃ الامیر معاویہ:

الحمدللہ علی احسانہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیارے نبی آخرالزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے پیدا فرمایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری اور عظیم نبی ہیں۔ آپ پر نازل ہونے والی لاریب کتاب قرآن کریم ہے۔ آپ کی اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کی عظمت و رفعت اور قدر و منزلت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

محب اپنے محبوب کی اداؤں پر مرمٹتا ہے اور اس کی ہر نسبت کا خیال اور پاس رکھتا ہے۔ پھر ہم سب کا وہ محبوب جو محبوب رب العالمین ہے، جو رحمۃ للعالمین ہے۔ ادب اور احترام کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی ہر ادا پر مرمٹیں اور دل و جان سے ان کی ہر نسبت کے ادب واحترام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ

علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

اس شعر میں آپ نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو معروف احادیث مبارکہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

(1) میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

(2) میرے اہل بیت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گیا وہ طوفان سے رہے گا، اسی طرح طرح جس نے اہل بیت کا دامن پکڑ لیا نجات پا گیا۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ سمندر میں سفر کرنے والے کشتی اور جہاز کو ستاروں کی مدد سے چلاتے ہیں۔ ستاروں کی مدد سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت اطہار کی کشتی میں سوار ہو کر ان کے صحابہ کبار ستاروں کی روشنی میں ہم اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے تو پھر اہل سنت کا بیڑا پار ہے۔

حق و باطل کی جنگ روز ازل سے ابد تک جاری رہی گی، ہر دور میں ایسے لوگ سامنے آتے رہے ہیں جنہوں نے اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کی ذوات مقدسہ پر انگشت نمائی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ حالانکہ آسمان پر تھوکنے سے تھوک ہمیشہ ان کے اپنے منہ ہی پر گرتا ہے لیکن ایسے بد خصلت اور بد فطرت لوگ اپنی قبیح حرکات سے باز نہیں آتے۔

صحابہ و اہل بیت کی عظمت و رفعت پر قرآن وحدیث شاہد و ناطق ہیں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ ظاہر و باہر ہے۔

ہمیں ہمیشہ ان کے فضائل و کمالات پر رکھنی چاہئے اور ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کرنا چاہیے، ان کے آپس میں جو مشاجرات و نزاعات ہوئے ہیں۔ ان میں ہمیں پڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، یہاں کف لسان اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مشاجرات و نزاعات ہوئے ہیں۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ غلطی پر تھے۔ ان سے یہاں اجتہادی غلطی ہوئی تھی، ہمارے جد اعلیٰ حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوج جرار جاں نثار کے ساتھ عین میدان میں بالقصد و بالا ختیار ہتھیار رکھ دیئے اور خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے فرمادی، اور آپ کے بارے میں پیغمبر آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہی بشارت فرمائی تھی کہ "میرا یہ بیٹا سید ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے باعث اسلام کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے۔

ہمارے جد اعلیٰ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے صلح فرمالی، پھر ہم ان سے کیوں کدورت رکھیں۔

حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری دم تک یزیدیوں سے جنگ لڑی، پھر ہم کیسے یزیدان عصر سے صلح کرلیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں، کاتب وحی ہیں، اول ملوک اسلام اور سلطنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے بادشاہ ہیں۔ ان کے دور میں اسلام کی نشر و اشاعت میں گراں قدر اضافہ ہوا، بے شمار فتوحات ہوئیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و رفعت کے بارے میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کے ارشادات و فرمودات اظہر من الشمس ہیں۔ اکابرین اہل سنت نے ان کی عظمت و رفعت اور قدر و منزلت کے حوالے بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن و تشنیع کرنا رافضیت کا تو معمول ہے ہی لیکن فرقۂ تفضیلیہ کا بھی روز ازل سے یہی وتیرہ رہا ہے۔

کسی دور میں ہماری خانقاہیں اسلام و سنیت کا مرکز تھیں اور یہاں سے مریدین و معتقدین کا تزکیۂ نفس ہوتا تھا اور احقاق حق اور ابطال باطل کا درس دیا جاتا تھا۔

ہندوستان میں مردم خیز بلگرام ہے یہاں کے مشہور صوفی بزرگ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م:1017ھ /1608ء) نے ایک کتاب "سبع سنابل" لکھی جسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرف قبولیت حاصل ہوا ہے۔

سبع سنابل کا پہلا سنبلہ (باب) ہی مفضلہ اور تفضیلیت کے رد میں ہے۔ آپ نے اس میں تفضیلیت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔

اکابر مارہرہ مطہرہ کا بھی یہی مسلک رہا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ فتنۂ تفضیلیہ کو نشانے پر رکھا۔

خانقاہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین سراج السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ (م: 1324ھ/1906ء) کی مساعی جمیلہ جو آپ نے شیعیت اور تفضیلیت کے رد میں کیں، ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے ان دونوں کا رد بلیغ فرمایا، اس پر آپ کی تصانیف "دلیل الیقین من کلمات العارفین، عقیدۂ اہل سنت نسبت محاربین جمل و نہروان" اور رسالہ "سوال و جواب" شاہد و ناطق ہیں۔

آپ نے اپنے زمانے میں شیعیت اور تفضیلیت کی خوب بیخ کنی کی اور آپ کی سرپرستی میں بدایوں شریف میں مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعیت اور تفضیلیت کے خلاف محاذ سنبھالا۔

مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے رد روافض میں ایک رسالہ "ہدایت الاسلام" لکھا۔ ایک رسالہ "تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ" لکھا جس میں آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب دلائل و براہین سے نقل فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ اکابر علما و مشائخ کی تصدیقات و تائیدات سے مزین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1340ھ/1921ء) کی ساری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل سے عبارت ہے۔ آپ نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ صرف عزت و ناموس اور ختم نبوت پر پہرہ دیا بلکہ آپ کی اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کی عزت و ناموس حفاظت کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس پر آپ کے بے شمار فتاویٰ اور کئی رسائل شاہد و ناطق ہیں۔

آج پھر فتنۂ تفضیلیت کی ذریت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شخصیت پر حملہ آور ہے اور آپ کے کاتب وحی ہونے میں نئی نسل کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے میں مصروف ہے۔

حقائق و شواہد کے اجالے میں دیکھا جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب وحی ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اکابرین اسلام نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں آپ کو کاتب وحی لکھا ہے۔ ہمارے پیارے نبی آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معتمد کاتبوں میں خاص طور پر جو صحابہ کرام شامل ہیں ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی نمایاں طور پر شامل ہے۔ اسی طرح سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے لکھی جانے والی کتابوں میں بھی جہاں "کاتبین وحی" کا عنوان قائم کیا گیا ہے وہاں کاتبین وحی کی فہرست میں آپ کا نام بھی نمایاں طور پر ملتا ہے۔

فاضل نوجوان علامہ ابوہریرہ عادل خان قادری مدنی عطاری نے اسی سلسلۃ الذہب کے تحت کتاب "الادلۃ الباہرہ فی کتابۃ الامیر معاویہ" لکھی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

آپ نے حقائق کے اجالے اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہ کتاب ترتیب دی ہے۔

آپ نے دو سو کے قریب اکابرین اسلام کے حوالے رقم فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاتب وحی ہونا اس قدر مسلمہ ہے کہ اس پر سلف صالحین کی اکثریت متفق نظر آتی ہے اس پر ان کی تصنیفات و تالیفات شاہد و ناطق ہیں۔

آپ نے پیش نظر کتاب کی ترتیب و تدوین کے لیے محنت و تحقیق سے کام لیا ہے۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب وحی ہونے کے حوالے سے اکابرین اسلام کے مستند حوالہ جات یکجا فرما کر پیش نظر کتاب میں قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش فرما دیئے ہیں۔

"عرض مصنف" میں کتاب لکھنے کا پس منظر دیا گیا ہے اور اس موضوع کی غرض و غایت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کاتب کے معنی، قرآن کریم کی کتابت اور تدوین اول، کاتبین وحی کا مختصر تعارف دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب وحی ہونے کے بارے میں اکابرین اسلام کے کثیر حوالہ جات سے کتاب مزین ہے۔

کتاب کی سطر سطر سے آپ کی عرق ریزی، وسعت مطالعہ اور حسن انتخاب مترشح ہے۔ کتاب کی زبان انتہائی دلکش مگر سادہ اور سلیس ہے، تحقیق کا معیار ایسا کہ ہر حوالہ نفس موضوع کا آئینہ دار ہے اور پڑھنا شروع کریں تو دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے اور عمیق دریا کی روانی نظر آتی ہے۔ جامعیت ایسی کہ دریا کو کوزے میں سمو دینے کی مثال یہاں دی جا سکتی ہے۔

ناچیز ہیچ مدان فاضل مصنف و محقق علامہ عادل خان قادری مدنی عطاری کی اس عظیم کاوش کی تکمیل پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کی خدمت میں ہدیہ تہنیت و تبریک پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور اسے شہرت عام اور بقائے دوام بخشے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ ■■■

سفر آخرت

مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی علیہ الرحمہ

مولانا قاری محمد عرفان قادری

فقیہ عصر ممتاز الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ خاں نعیمی مصباحی رحمۃ اللہ علیہ 26 ذی قعدہ 1445ھ/3 جون 2024ء دوشنبہ تقریباً ساڑھے تین بجے شب دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے ۔"(صحیح البخاری)

دوسری روایت میں ہے :

فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد

"ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے"

(رواہ الترمذی)

حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ خاں نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان جماعت اہل سنّت کے ممتاز عالم دین اور بلند پایہ فقیہ تھے۔ان کی پوری زندگی درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی میں گزری۔وہ انتہائی باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ان کی تدریسی زندگی چالیس سال سے زائد عرصہ کو محیط ہے۔وہ جہاں بھی رہے عالمانہ وقار کے ساتھ رہے۔سیٹھوں، دولت مندوں اور چاپلوسوں کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لائے۔وہ حق گو اور انصاف پسند عالم دین تھے۔جو بات کہنی ہوتی نتیجے کی پرواہ کیے بغیر صاف صاف کہہ دیتے۔جب بھی کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تو قرآن وسنت کی روشنی اور آسان لب ولہجہ میں اس کا جواب تحریر فرماتے۔مسلک اعلیٰ حضرت کے شیدائی تھے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیق کو حرف آخر گردانتے۔ان کی طبیعت میں سادگی تھی۔مالی حیثیت سے مضبوط ہونے کے باوجود لباس اور رہن سہن بالکل سادہ تھا۔البتہ زکوٰۃ ہر سال بڑی پابندی سے نکالتے تھے اور دیگر مستحقین کے ساتھ سنی مدارس وجامعات کو بھی زکات کی رقم ارسال فرماتے تھے۔انہوں نے ایام جوانی میں فریضہ حج بھی ادا کیا۔اللہ جل مجدہ الکریم نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔وہ ایک متبحر اور بے باک عالم ومفتی تھے۔ضلع بلرام پور میں وہ ایک قد آور اور باوزن علمی شخصیت کی حیثیت سے مشہور ومعروف تھے۔مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ سے مفتی صاحب کا بہت گہرا تعلق تھا۔وہ اس مدرسہ کے تاحیات سرپرست رہے۔ان کا اچانک انتقال جماعت اہل سنّت کا عظیم خسارہ ہے۔اللہ رب العزت ان کی خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور اہل سنّت کو مفتی صاحب کا بدل عطا فرمائے آمین۔

ممتاز الفقہا حضرت مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی کی ولادت 27 ذی قعدہ 1377ھ/15 جون 1958ء ضلع سدھارتھ نگر کے موضع دھوئی میں ہوئی۔ناظرہ قرآن پاک اور دینیات کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔اس کے بعد آپ کے والد ماجد محمد ابراہیم خاں نے آپ کا داخلہ جامعہ اہل سنّت امداد العلوم مٹہنا میں کرایا۔وہاں آپ نے اعدادیہ سے سادسہ تک تعلیم حاصل کی۔1976ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے اور جماعت سابعہ میں داخلہ لیا۔جامعہ اشرفیہ میں کامل انہماک کے ساتھ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی ودیگر اجلہ اساتذہ کرام کے زیر نگرانی اپنا تعلیمی سفر طے کیا۔1400ھ/1980ء میں سند ودستار سے نوازے گئے۔محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ رضوی مصباحی شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ آپ کے رفیق درس ہیں۔اس لیے کہ سراج الفقہا بھی اسی سال جماعت سابعہ میں داخلہ لیے تھے۔محقق مسائل جدیدہ اپنے تعزیت نامہ میں رقم طراز ہیں:

"حضرت مفتی صاحب مرحوم میرے رفیق درس اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بہترین فارغین میں سے تھے۔سنہ 1396ھ/1976ء میں جامعہ اشرفیہ آئے اور جماعت سابعہ میں داخلہ لیا۔اسی سال میں بھی اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے جامعہ حاضر ہوا اور جماعت سابعہ میں داخلہ لیا۔جماعت سابعہ میں ہم دونوں رفیق درس

اور ہم جماعت ہوگئے۔جب جامعہ کے ارباب حل و عقد نے اس بے مایہ کی خواہش پر کرم فرماتے ہوئے میری عرضی منظور کی اور شعبہ تخصص فی الفقہ قائم کرکے اگلے سال ہمارا شعبہ اختصاص فی الفقہ میں داخلہ منظور کیا تو حضرت مفتی صاحب مرحوم کا بھی اس شعبہ میں داخلہ ہوا،اس طرح ہم دونوں سے جامعہ اشرفیہ کے شعبہ اختصاص فی الفقہ کا آغاز ہوا۔ہم دونوں اس شعبہ کے اولین طلبہ تھے جو سنہ 1400ھ/1980ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔درجہ اختصاص میں ان کے تحقیقی مقالہ کا عنوان ”فقہ حنفی کتاب و سنت کی روشنی میں“ تھا۔ چند سال پہلے مفتی صاحب نے اس مقالے کی اشاعت فرمائی۔انہوں نے راقم سطور کو بھی اس کا ایک نسخہ دیا تھا۔اللہ عزوجل اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے آمین" (تعزیت نامہ بر وفات رفیق گرامی حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی رحمہ اللہ)

درجہ فضیلت اور اختصاص فی الفقہ سے فراغت کے بعد مفتی حبیب اللہ نعیمی دو سال دارالعلوم فاروقیہ مدھ نگر، پانچ سال جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور، آٹھ سال جامعہ امجدیہ گھوسی (بحیثیت صدر مدرس) اور پچیس سال دارالعلوم فضل رحمانیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد 31 مارچ 2021ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ریٹائر ہونے کے بعد دارالعلوم فضل رحمانیہ کے دارالافتا میں صدر مفتی کی حیثیت سے بلا کسی اجرت و مشاہرہ کے فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے۔تدریس اور فتاوی نویسی کے ساتھ آپ نے ہمیشہ قلم سے رشتہ استوار رکھا اور دینی واصلاحی مضامین مسلسل لکھتے رہے۔متعدّد کتابوں پر تقریظات و تاثرات بھی تحریر فرمائے۔ فروری 2024 میں ناچیز کی نئی تصنیف ”خطبات جمعہ“ پر مفتی صاحب نے ہدیہ تبریک کے عنوان سے گراں قدر تاثرات رقم فرمائے اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔آپ قلم بر داشتہ لکھتے تھے۔اختصار، برجستگی اور تنوع آپ کے قلم کی خاصیت تھی۔راقم السطور نے مفتی صاحب موصوف کے متعدّد مضامین روزنامہ راشٹریہ سہارا اور دیگر اردو اخبارات میں شائع کرایا۔مجلس شرعی مبارک پور اور شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے فقہی سیمیناروں میں بطور خاص مدعو کیے جاتے، منتخب عناوین پر بڑے ہی ذوق کے ساتھ تحقیقی مقالے لکھتے اور بحث وتمحیص میں حصہ بھی لیتے۔آپ کے چند مقالے اور مضامین سے کچھ اہم اقتباس ذیل کے سطور میں نقل کر رہا ہوں۔

مجلس شرعی کے تحت جامعہ اشرفیہ میں ہونے والے سولہویں فقہی سیمینار میں ایک اہم عنوان تھا "غیر رسم عربی میں قرآن حکیم کی کتابت" اس موضوع پر سیمینار کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ فرقہ باطلہ کے علما بہت پہلے سے آسانی پیدا کرنے کے نام پر متن قرآن کو ہندی انگریزی وغیرہ زبانوں میں چھاپ رہے ہیں۔جب کہ شرعاً متن قرآن کو ہندی، انگریزی، گجراتی، مراٹھی وغیرہ زبانوں کے رسم الخط میں منتقل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔اس کی کئی وجوہات ہیں۔اس لیے کہ قرآن حکیم کو رسم عثمانی کے مطابق لکھنا واجب ہے۔رسم قرآنی وخط عثمانی توقیفی ہے، قیاسی نہیں ہے۔یہ رسم اسرار الہیہ ومقاصد نبویہ پر مبنی ہے جو دوسرے خط میں نہیں پائے جاتے۔یہ خلفائے راشدین کا طریقہ ہے اور بحکم حدیث خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کو اپنانا ضروری ہے۔ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے اور اس پر اجماع امت قائم ہے۔ہاں ترجمہ قرآن کو کسی بھی رائج زبان میں شائع کرسکتے ہیں۔مجلس کی جانب سے مذکورہ عنوان پر علما وفقہا کی رائے جاننے کے لیے دو سوال مرتب کیے گئے تھے۔(۱) عوام الناس کی عربی سے ناآشنائی اور علم القراءت کی ضرورت کے پیش نظر شرعاً کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ متن قرآن کو ہندی گجراتی، مراٹھی وغیرہ نامانوس زبانوں میں منتقل کرکے شائع کرنے کی اجازت دی جائے؟

(۲) عربی حروف کے مخارج وصفات کی تعیین کے لیے اگر ہندی وغیرہ میں کچھ علامتیں خاص کرلی جائیں جن کے باعث ممکن حد تک قرآت کی غلطی سے بچا جاسکے تو کیا خاص اس صورت میں اجازت ہوسکتی ہے؟ پہلے سوال کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں:

”قرآن حکیم کے متن عربی کو کسی بھی دوسری زبان میں منتقل کرکے شائع کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے اس لیے کہ قرآن پاک کو صحیح ودرست پڑھنا فرض عین ہے۔یعنی الفاظ قرآن کو زبان سے کس طرح نکالا جائے یہ جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ورتل القرآن ترتیلا ”قرآن پاک ترتیل وتجوید سے پڑھو“یعنی ہر کلمہ کو صاف صاف جدا جدا واضح ادا کرو اور اس طور پر ادا کرو کہ ہر حرف ایک دوسرے سے جدا وممتاز ہوجائے کسی طرح کا التباس واشتباہ نہ رہ جائے۔اسی ترتیل وتجوید کے پیش نظر ماضی کے معتبر ومستند دین دار علما نے بہت سارے ایسے قواعد وضوابط وضع کیے کہ ان کی رعایت کرکے قرآن پاک کو صحیح ودرست پڑھا جاسکے اور غلط

پڑھنے سے کلی طور پر بچا جاسکے۔"

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: "عوام الناس کی عربی سے ناآشنائی جیسے آج ہے ویسے ہی بلکہ کچھ زیادہ ہی ماضی میں بھی تھی۔ لیکن علمائے سلف وخلف نے ان ضرورت وحاجت کے پیش نظر قرآن حکیم کے متن عربی کو کسی بھی دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے نہ سوچا نہ کیا اور نہ اجازت دی۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو کہیں منقول وماثور ہوتا۔ ایسا بھی نہیں کہ یہ ساری زبانیں اس وقت نہیں تھیں، ساری زبانیں تھیں اور ان زبانوں کے جاننے والوں میں اسلام بھی تھا۔ اس لیے کہ اسلام کا دائرہ صحابہ ہی کے دور میں عرب سے نکل کر عجم میں پہنچ چکا تھا اور اسلام کی نشر واشاعت کے لیے فقہائے صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور بعد کے علما پھیل چکے تھے۔ تو جیسے ماضی کے علما نے عوام الناس کی عربی سے ناآشنائی کے پیش نظر اس کی اجازت نہ دی اسی طرح ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اب بھی اجازت نہ دی جائے جب کہ وہ ہم سبھوں سے زیادہ زمانہ واہل زمانہ کی معرفت رکھتے تھے اور دینی ضرورت سمجھتے تھے لیکن ایسی جرأت نہ کی کہ قرآن پاک کو عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں منتقل کیا جائے۔"

اس اقتباس کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ مفتی صاحب نے بڑی مضبوطی کے ساتھ جمہور امت کے موقف کی تائید وتوثیق فرمائی۔ اسی موقف کے مطابق مجلس شرعی نے باتفاق رائے فیصلہ بھی فرمایا جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو پہلی بات ہندی، گجراتی وغیرہ نامانوس زبانوں کے خط میں عربی حروف کے مخارج وصفات کی تعیین کے لیے کچھ علامتیں مقرر کرنا نہایت دشوار ہے۔ ثانیا: کسی طرح علامتیں مقرر بھی ہوجائیں تو مشق وتمرین اور تعلیم وتدریب کے بغیر ان کا تلفظ نہیں ہوسکتا اور جو شخص قرآن حکیم صحیح پڑھنے کے لیے ان دشوار گزار مراحل کو طے کرسکتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ آسانی کے ساتھ عربی زبان سیکھ سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اس کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ لہٰذا دوسرے سوال کے جواب میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "خاص وعام کسی بھی صورت میں قطعاً ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ علامتوں کا وضع کرنا اور اس کی رعایت کرکے پڑھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ ساری صورتیں جو سوال میں مذکور ہیں صرف اور صرف سوچنے سمجھنے اور لکھنے کی حد تک ہوں گی، عمل میں لانا ممکن نہیں اور اگر اسی کا سہارا لے کر اجازت دے دی گئی تو قرآن پاک کے غلط سلط پڑھنے کا رواج عام ہوجائے گا"

(بحوالہ مقالہ برائے سولہواں فقہی سیمینار مجلس شرعی مبارک پور)

ممتاز الفقہا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دل وجان سے شیدائی تھے اور علمی نشست میں اعلیٰ حضرت کے علمی فضائل و کمالات کا بانداز والہانہ تذکرہ فرماتے۔ ایک مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر میں نے راشٹریہ سہارا کے خصوصی ضمیمہ کے لیے اعلیٰ حضرت کی علمی شان پر آپ سے مضمون لکھنے کے لیے گزارش کیا تو فرمایا کہ ان شاء اللہ کل تک لکھ کر بھیج دوں گا۔ اگلے دن مفتی صاحب نے فون کیا اور کہنے لگے کہ میں مضمون بول رہا ہوں آپ لکھ لیں۔ تقریبا چار صفحے پر مشتمل مضمون آپ نے املا کرایا جو روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ایڈیشن کے خصوصی صفحہ پر شائع ہوا۔ اس مضمون میں اعلیٰ حضرت کے علمی کمال کو اجاگر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "معاصر اور ماضی کے فقہائے کرام نے اگر کہیں توقف وسکوت کو احوط وبہتر بتایا تو وہاں بھی آپ نے توقف وسکوت نہیں کیا بلکہ اس کی ایسی تشریح وتوضیح کیا کہ اگر وہ فقہائے کرام اعلیٰ حضرت کی اس توضیح وتشریح کو دیکھ پاتے تو حیرت میں ڈوب جاتے اور آپ کی عظمت فقاہت کو لاکھوں سلام نیاز ضرور پیش کرتے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم الفقہا ہیں اور فقہ وفقاہت میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں وہ جب اس مسئلہ کی تحقیق پر پہنچتے ہیں کہ قرآن افضل ہے یا سرکار دوعالم؟ تو فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے جواب میں احوط توقف ہے لیکن سرکار اعلی حضرت جب اس مسئلہ پر پہنچتے ہیں اور آپ کے توقف کو دیکھتے ہیں تو فوراً ارشاد فرماتے ہیں کہ توقف کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ قرآن سے مراد اگر کلام نفسی جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور قدیم ہے تو یہی قرآن افضل ہے اور اگر قرآن سے مراد کلام لفظی جو کلام نفسی پر دال ہے تو وہ مخلوق ہے اور مخلوقات میں سب سے افضل میرے سرکار ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بلا شبہ یہ اعلیٰ حضرت کی ایسی تشریح وتوضیح ہے جس پر کسی کو کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی آپ کے وہ علوم ہیں جنہیں ہم وہبی، عطائی اور علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں۔"

نومبر 2016 میں مرکزی حکومت کی جانب سے طلاق ثلاثہ کا

مسئلہ موضوع بحث تھا اور اس پر قانون سازی کی بات چل رہی تھی۔ غیر مقلد علما بھی کہیں نہ کہیں سے حکومت کی تائید میں تھے۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا کے ایڈیٹر جناب ڈاکٹر حمایت جائسی صاحب نے تین طلاق کے حوالے سے شریعت کے صحیح موقف کو جاننے کی کوشش کی۔ مفتی صاحب سے رابطہ کیا گیا تو آپ نے بعنوان ”طلاق کی شرعی حیثیت اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کی روشنی میں“ مکمل ایک مضمون قلم بند کر کے اخبار کے حوالے کر دیا۔ یہ مضمون 98 واں عرس اعلیٰ حضرت پر راشٹریہ سہارا میں شائع ہوا۔ مضمون کا کچھ حصّہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں: ”بروقت مسئلہ طلاق پر کچھ مذہب بیگانہ ناخدا ترس لوگ ریمارک کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ تین طلاق کے جواز کا قول عورتوں پر ایک طرح کا ظلم وزیادتی ہے اس لیے اس کا اختیار شوہر کو نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مسئلہ اس وقت اور بھی زیادہ حساس ہو گیا جس وقت کی مرکزی حکومت نے طلاق ثلاثہ کو ختم کرنے کی وکالت کی۔ اس لیے ضروری ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کو واضح کر دیا جائے تاکہ منصف مزاج حق پسند حضرات کو کوئی اپنے مکر وفریب سے بہکا نہ سکے۔ شرعاً عقد نکاح کے ازالہ کو طلاق کہتے ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔ احسن، حسن، بدعی پھر یہ کہ عورت فوراً نکاح سے باہر ہو جائے اسے بائن کہتے ہیں اور دوسری یہ کہ عدت گزرنے کے بعد نکاح سے نکلے اسے رجعی کہتے ہیں۔ طلاق کی ان تینوں صورتوں میں اختیار صرف اور صرف شوہر ہی کو ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا بیدہ عقدۃ النکاح ”یعنی شوہر ہی کے اختیار میں نکاح کا بندھن ہے" چوں کہ یہ اختیار شوہر کو من جانب اللہ ہے اس لیے اب اس حکم شرعی کے بدلنے اور الٹ پھیر کرنے کا اختیار کسی انسان کو نہیں ہے۔ خواہ وہ حکومت وسلطنت کا سربراہ ہو یا عام آدمی کیوں کہ اللہ ربّ العزت سب حاکموں کا حاکم ہے اس سے بڑا کوئی حاکم نہیں کہ اس کا حکم اس کے حکم کے خلاف چلے۔ البتہ یہ نکتہ ضرور پیش نظر رہے کہ طلاق دینے کا اختیار گرچہ شوہر کو ہے لیکن بلا وجہ بغیر کسی ضرورت وحاجت کے طلاق دینا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ معمولی سی ناراضگی ہوئی اور طلاق دے دیا پھر بعد میں جب ناراضگی ختم ہوئی تو جائز کرنے کے لیے دارالافتاء کا چکر لگانے لگے کہ مفتی صاحب کوئی راستہ نکال دیجیے میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ طلاق دینا گو کہ جائز ہے مگر بلا وجہ شرعی ممنوع ہے اور وجہ شرعی ہو تو مباح بلکہ بعض صورتوں میں مستحب ہے۔ مثلاً عورت شوہر کو ایذا دیتی ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے مثلاً شوہر نامرد یا ہجڑا ہو یا کسی وجہ سے جماع کرنے پر قادر نہ ہو۔“ (روزنامہ راشٹریہ سہارا 26 نومبر 2016، ص:3)

فقہ حنفی پر مفتی صاحب کی گہری نظر تھی۔ اس حوالے سے آپ کی تصنیف ”فقہ حنفی کتاب وسنت کی روشنی میں“ انتہائی جامع کتاب ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان پر غیر مقلدین کے اعتراضات اور ان کے مکر وفریب سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے یہ کتاب علما وطلبہ اور مفتیان کرام کے لیے یکساں مفید ہے۔ 2013ء میں اس کتاب کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف صحافی وادیب جناب ڈاکٹر حمایت حسین صاحب جائسی ایڈیٹر روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ لکھتے ہیں:

”امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں پوری دنیا کے سنی مسلمان جن کی تقلید کرتے ہیں اور ایک جائزے کے مطابق پوری دنیا میں مسلمانوں کی کل آبادی کا کم وبیش 90 فیصد حنفی مسلک کے ماننے والے ہیں۔ اس کے باوجود عہد قدیم سے امام اعظم پر یہ الزامات کچھ تعصب پسند لگاتے رہے ہیں کہ فقہ حنفی کا قصر عظیم ”قیاس ورائے اور احادیث ضعاف پر قائم ہے" امام اعظم ابو حنیفہ نے کتاب وسنت پر قیاس کو ترجیح دی ہے اور حدیث ضعیف کو حدیث صحیح پر فوقیت دی ہے۔ زیر نظر کتاب میں مؤلف کتاب مفتی محمد حبیب اللہ خاں نعیمی نے امام اعظم ابو حنیفہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ امام اعظم کے معاصرین اور مشاہیر علما کے اقوال سے فقہ حنفی کی خصوصیات اور اس کی ہمہ گیری وآفاقیت کو اجاگر کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ پر جو اعتراض کیے گئے ہیں ان کا مدلل جواب بھی دیا ہے۔ مؤلف نے کتاب کے پانچ اجمالی عناوین مقرر کیے ہیں (1) امام اعظم کی مختصر سوانح (2) فقہ حنفی کی خصوصیات وممیزات (3) مذہب حنفی کی موافقت کتاب وسنت کی روشنی میں (4) اذا صح الحدیث فھو مذھبی (5) کم من احکام یختلف باختلاف الزمان والمکان

مفتی نعیمی نے پہلے باب امام اعظم کی مختصر سوانح میں کوفہ کے حالات،

علمی مرتبہ بالخصوص علم حدیث وتفسیر میں اس دور کے اساتذہ کی خصوصیات کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔دوسرے باب فقہ حنفی کی خصوصیات میں وضع اصول اور مختلف بحثوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کتاب کا تیسرا باب مذہب حنفی کی موافقت کتاب وسنت سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس باب میں مؤلف نے ان اعتراضات کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں دیئے ہیں جو عہد قدیم سے امام اعظم ابوحنیفہ پر کیے جاتے رہے ہیں اور قرآن وحدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام اعظم حدیث مرسل کے ہوتے ہوئے بھی قیاس نہیں کرتے ہیں بلکہ کتاب اللہ اور احادیث سے مسائل کا توافق کرتے ہیں۔چوتھے باب اذا صح الحدیث فھو مذھبی میں ضعف سند میں مرور زمانہ کی تاثیر، تعداد اسناد کے وقت کسی سند کا ضعف، فقیہ وغیر فقیہ کی روایت کی ترتیب، کتاب اللہ واحادیث میں فرق وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے جب کہ پانچویں اور آخری باب میں عرف، تعامل، دفع حرج، اور عموم بلوی وغیرہ کی بحث کو اپنا موضوع بنایا ہے۔مفتی حبیب اللہ نعیمی نے اس کتاب کا انتساب امام اعظم ابوحنیفہ، امام اہل سنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی حنفی اور الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حافظ ملت رحمھم اللہ کے نام کرکے ان بزرگوں سے اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت دیا ہے۔احوال واقعی کے عنوان سے مؤلف نے اپنے زمانہ طالب علمی کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔مقدمہ تحقیق مولانا نور الحسن خاں ازہری نے تحریر کی ہے جس میں کتاب کے مآخذ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور کتاب کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا ہے۔کتاب کے آخر میں فہرست احادیث وآثار واقوال کی تفصیل درج ہے اور فہرست مصادر ومراجع کی تفصیل بھی ہے جس میں 196 کتابوں کا ذکر ہے۔مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب پوری دنیا کے احناف کے لیے ایک گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔امید قوی ہے کہ اس کتاب کو نہ صرف ہندوستان وبرصغیر بلکہ جہاں جہاں اردو پڑھی جاتی ہے شہرت عام ومقبولیت حاصل ہوگی اور یقین کامل ہے کہ مفتی حبیب اللہ نعیمی کی یہ تصنیف پوری اردو دنیا میں عقیدت واحترام اور دل چسپی سے پڑھی جائے گی"۔(تبصرہ روزنامہ راشٹریہ سہارا امنگ، سنڈے میگزین 2013ء)

مفتی حبیب اللہ نعیمی میدان درس وتدریس اور قرطاس وقلم کے شہسوار تو تھے ہی اسی کے ساتھ آپ ایک سنجیدہ مزاج خطیب بھی تھے۔بطور خاص اہل علم کی محفل میں آپ بہت ہی ناصحانہ خطاب فرماتے تھے۔میں نے آپ کی درجنوں تقریریں سنی ہے۔ہر تقریر پند ونصائح اور علمی نکات سے آراستہ ہوتی تھی۔

7 مئی 2024ء کو حضرت ممتاز الفقہا بغرض علاج لکھنؤ تشریف لائے۔اس موقع پر ہمارے ادارے کے طلبہ واساتذہ کو نصیحت آموز خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "طلبہ کی شخصیت سازی میں اساتذہ کا اہم کردار ہوتا ہے۔دنیا میں ہر نامور انسان کی کامیابی میں اس کے استاذ کی کاوش شامل ہوتی ہے۔ہمارے اکابرین اپنے اساتذہ سے علم کے ساتھ عمل بھی سیکھتے تھے۔حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاذ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے علم کے ساتھ عمل بھی سیکھا۔میں چائے بہت گرم اس لیے پیتا ہوں کہ میرے استاذ صدر الشریعہ بھی چائے بہت گرم کرکے پیتے تھے۔آخر میں آپ نے فرمایا کہ جو جتنا زیادہ استاذ کا ادب کرے گا اس کا سینہ نور علم سے اتنا ہی زیادہ منور ہوگا۔اساتذہ کی شان میں بے ادبی وگستاخی ذلت ورسوائی کا سبب بنتی ہے۔یہ بات میں اپنے تجربات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ جس طالب علم نے بھی جہد وجہد کے ساتھ استاذ کے دل میں اپنی جگہ بنالیا وہ ضرور کامیاب ہوا۔"

مفتی صاحب چند سالوں سے شوگر کے مرض میں مبتلا تھے۔لکھنؤ سے علاج چل رہا تھا۔آخر کار وقت اجل آپہنچا اور وقت کا عظیم فقیہ، مفکر ومدبر اور ہزاروں علما وفقہا کا معلم ومربی ہمیشہ کے لیے آسودہ خاک ہو گیا۔ممتاز الفقہا تقریباً 65 برس کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے لیکن اپنے علمی وتصنیفی کارناموں کی بنیاد پر ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت ممتاز الفقہا کے گراں قدر فتاوے، مقالات اور تقریظات وتاثرات کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے اور اس کی اشاعت وترویج کو یقینی بنایا جائے۔اس سلسلے میں ممتاز الفقہا کے تلامذہ بطور خاص ان کے داماد محترم مولانا مفتی محمد خورشید عالم مصباحی امجدی اپنا فعال کردار ادا کرسکتے ہیں۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
قبر کو تیری منور فضل رحمانی کرے

▪▪

صدائے بازگشت

مسافرانِ آخرت

مکرمی.......................سلام مسنون

ناچیز ہیچ مدان عرصۂ دراز سے مشاہیر اہل سنت کی وفیات پر قلم برداشتہ اور برجستہ تعزیتی شذرات لکھ رہا ہے۔ جنھیں علمی و فکری حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ن

فخر السادات سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی غورغشتوی صاحب زید مجدہ اب ان تمام تعزیتی شذرات کو "مسافرانِ آخرت" کے نام سے یکجا فرما کر کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ وفیات نگاری کے حوالے سے یہ تمام شذرات ریکارڈ پر آکر محفوظ ہوجائیں۔

فقیر کے پاس ان تمام شذرات کا ریکارڈ محفوظ نہیں ہے۔ ان میں کچھ تو مختلف کتب و رسائل میں شائع ہوئے ہیں اور کچھ صرف سوشل میڈیا پر ہی وائرل ہوئے ہیں۔

فخر السادات سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی غورغشتوی صاحب زید مجدہ نے انہیں جمع کرنے کے لیے ایک تحریک شروع کی ہے اور سوشل میڈیا پر "مسافرانِ آخرت" کے نام سے ایک وہاٹس ایپ گروپ بھی تشکیل دیا ہے۔

ہمارے محبین و مخلصین اس جانب توجہ فرمائیں اور ان سے ہر ممکن تعاون فرمائیں، ان کے پاس اگر فقیر کے لکھے گئے شذرات میں سے کوئی محفوظ ہے تو وہ بھی انہیں بھیج دیں۔

اگر اب بھی دنیا میں کہیں بھی اہل سنت کی کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے والی شخصیت سفر آخرت پر روانہ ہوتی ہے تو اس کے سوانحی کوائف بھی بھیج دیں تاکہ ان کے بارے میں بھی تعزیتی شذرہ لکھا جا سکے۔

"مسافرانِ آخرت" وہاٹس ایپ گروپ میں دیگر کسی موضوع کو ہرگز زیر بحث نہ لایا جائے۔

امید واثق ہے کہ آپ سب احباب سفر آخرت پر روانہ ہونے والے اپنے محسنین کا احساس کریں گے اور ان کی حیات و خدمات سے ضرور آگاہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم سب کو سفر آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

دعاگو و دعا جو- احقر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ

برہان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان

قرار داد ختم نبوت کا گولڈن جبلی

مکرمی.......................سلام مسنون

فتح باب نبوت پہ بے حد درود

ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

7 ستمبر 2024ء کو مملکت خداداد پاکستان کی جانب سے سرکاری طور پر ختم نبوت کے منکرین قادیانیوں کو کافر دینے کے پچاس سال مکمل ہو رہے ہیں۔ قرار داد ختم نبوت کے اس گولڈن جوبلی کے اس تاریخی موقع پر اہل سنت کے علما و مشائخ کو تحدیث نعمت اور اظہار تشکر کے طور پر ختم نبوت کے تحفظ اور فتنۂ قادیانیت کے رد میں اپنے جرائد و رسائل کے خصوصی نمبر نکالنے چاہئیں۔ اپنے حلقے میں خصوصی تقریبات، سیمینار اور کانفرنسز کا انعقاد کرکے عوام کو تحفظ ختم نبوت کا شعور دینا چاہیے۔۔ اس موقع پر ختم نبوت اکیڈمی برہان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان کی جانب سے سہ ماہی مجلہ "خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "(انٹرنیشنل) کا خصوصی شمارہ مطلع صحافت پر ہو رہا ہے اور نیپال کے ایک ممتاز نوجوان عالم دین علامہ عطاء النبی حسینی مصباحی ابوالعلائی زید مجدہ (مدیر اعلیٰ: سنی پیغام) کی کتاب "اربعین ختم نبوت" کی طباعت بھی عمل میں لا کر اس موقع پر اجرا کر رہی ہے۔

آپ بھی اٹھیں، آگے بڑھیں اور ختم نبوت کے حوالے سے اپنے حصے کا کام کرجائیں تاکہ کل محشر میں پیغمبر آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

دعاگو ودعاجو-احقر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ
ادارہ فروغ افکار رضا وختم نبوت اکیڈمی
برھان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان

لمحہ فکریہ

مکرمی......................سلام مسنون

مملکت خداداد پاکستان میں کچھ عرصہ سے اہل سنت آپس میں نظریاتی اور اعتقادی حوالے سے باہم دست وگریباں ہیں اور پھر سوشل میڈیا پر دونوں اطراف سے ویڈیوز کے ذریعے ایک دوسرے پر گولہ باری انتہا افسوس ناک ہے۔ ہماری نوجوان نسل انہیں دیکھ کر متذبذب ہوتی جارہی ہے، لبرل اور سیکولر خوشی سے نہال ہے اور فتنۂ قادیانیت نہایت ہی منظم انداز میں اسلام وسنیت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے اور اب سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے بھی انہیں سہولتیں دینا شروع کردی ہیں۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اے کاش آج قائد ملت اسلامیہ علامہ حافظ قاری شاہ احمد نورانی صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد ملت علامہ محمد عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو قادیانی ذریت کو اتنی جرآت اور دیدہ دلیری نہ ملتی۔

علما و مشائخ کی خدمت میں ناچیز ہیچ مدان کی نہایت ہی درد مندانہ گزارش ہے کہ مہربانی فرماکر دونوں اطراف سے فائر بندی کروائیں اور علما و مشائخ کا ایک ایسا بورڈ بنائیں جو دونوں گروپوں کے لئے قابلِ قبول ہو، صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے جو بھی تحفظات ہیں۔ انہیں فوراً دور کیا جائے اور سابقہ ان تمام الفاظ وبیان سے توبہ ورجوع وتوبہ کیا جائے جن سے کسی بھی قسم کا توہین کا ادنی سا پہلو بھی نکلتا ہو۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو آپس کے یہ اختلافات مخالفت میں تبدیل ہو کر رہ جائیں گے اور اہل سنت وجماعت میں مزید انتشار وافتراق کی فضا بن جائے گی۔ خدارا آگے بڑھو! ورنہ ہماری آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم وفراست عطا فرمائے اور جادۂ حق پر ہی ثابت قدمی عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ وعلماملتہ اجمعین۔

دعاگو ودعاجو-احقر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ
ادارہ فروغ افکار رضا وختم نبوت اکیڈمی
برھان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان

(ص:57 کا بقیہ) اس دعائیہ پروگرام میں پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا سید معین الدین اشرفی جیلانی صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ کچھوچھہ مقدسہ، صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما نے ظالم اسرائیل کے ظلم ستم سے نجات کے لیے رقت انگیز دعا کی۔ دعائیہ پروگرام میں آپ نے کہا کہ چھ سو سالہ مسجد کی شہادت سے ایک بار پھر عالم اسلام کی ایمانی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ دعا مومنوں کے لئے ہتھیار ہے۔ اہل ایمان جگہ جگہ دعائیہ پروگرام کا اہتمام کرے اور رب کی بارگاہ میں ظالم اسرائیل کی نیست نابودی کے لیے دعا کریں۔ رضا اکیڈمی کے بانی اور آل انڈیا سنی جمعیہ العلما کے نائب صدر الحاج محمد سعید نوری نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ مساجد اور عبادت گاہوں کو منہدم کرنا ظالم اسرائیلی نے اپنا مقصد بنالیا ہے، ہزاروں کی تعداد میں فلسطینی بے گھر ہوئے شہید ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں، بچے یتیم ہوئے اس کے باوجود ظالم اسرائیل جنگ نہ بند کرنے پر اڑے ہوئے ہیں، یہ ان کے ظلم وستم کا بین ثبوت ہے، اسلامی ممالک کے سربراہان بھی تماشائی بنے ہوئے ہیں اب مساجد کی شہادت پر زبان کھولنے کی سخت ضرورت ہے مساجد کے تحفظ کے لیے اقوام متحدہ میں آواز بلند کرے، آپ نے آخر میں کہا کہ علما وائمہ کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ دعائیہ پروگرام کا اہتمام کر کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے دعا کریں۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں فرزندان توحید نے جمع ہوکر اپنی دینی وملی حمیت اور فلسطینیوں سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا۔

عالمی خبریں

فلسطینیوں کے خلاف غذائی قلت کی مہم نسل کشی کے مترادف

اقوام متحدہ کے ماہرین کے مطابق اسرائیل نے جان بوجھ کر فلسطینیوں کے خلاف غذائی قحط کی مہم شروع کر رکھی ہے جس کے باعث غزہ میں بچے بھوک وافلاس سے مر رہے ہیں۔

اقوام متحدہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے غزہ میں غذائی قتل کی ٹارگیٹڈ مہم شروع کر رکھی ہے جس کے باعث بچوں کی اموات ہو رہی ہیں۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کے 10 آزاد ماہرین نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اسرائیل نے جان بوجھ کر فلسطینیوں کے خلاف غذائی قحط کی مہم شروع کر رکھی ہے جو کہ نسل کشی کی ایک قسم ہے اور جس کے باعث غزہ میں بچے بھوک وافلاس سے مر رہے ہیں۔

دوسری جانب اقوام متحدہ میں اسرائیل کے سفارتی مشن نے یو این ماہرین کے بیان کو مسترد کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے ماہرین پر غلط معلومات پھیلانے اور حماس کے پروپیگنڈے کو عام کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ غزہ کی وزارت صحت کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی اکتوبر 2023ء سے شروع کی گئی فوجی مہم میں اب تک 33 بچے بھوک کے باعث جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں جن میں سے زیادہ تعداد شمالی غزہ کے بچوں کی ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق حالیہ مہینوں میں اسرائیل نے زمینی کارروائیوں کو جنوبی غزہ تک پھیلایا ہے جس کے باعث محصور فلسطینیوں کو امدادی خوراک کی فراہمی شدید متاثر ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ 6 ماہ کے شیر خوار بچے 9 سالہ کمسن اور 13 سالہ لڑکے کی موت واضح کرتی ہے کہ بھوک وافلاس شمالی غزہ سے وسطی اور جنوبی غزہ تک پھیل چکی ہے۔ خان یونس میں زیر علاج ایک بچے کی والدہ نے خبر رساں ایجنسی رائٹرز کو بتایا کہ انھیں خدشہ ہے کہ ان کا بچہ بھوک کے باعث مر جائے گا۔ یہ بہت ہی افسوس ناک صورت حال ہے کہ میں جنگ کی وجہ سے اپنے بچے کو کچھ بھی نہیں دے سکتی۔

اقوام متحدہ کی حمایت یافتہ گلوبل مانیٹر انٹیگریٹڈ فوڈ سکیورٹی فیز کلاسی فکیشن (آئی پی سی) نے بھی بھوک وافلاس سے متعلق خبروں کا تکنیکی جائزہ لیا اور گزشتہ ماہ اپنی جائزہ رپورٹ میں کہا کہ مسلسل جنگ اور امدادی خوراک کی فراہمی میں رکاوٹوں کی وجہ سے غزہ بد ترین غذائی قلت کا شکار ہے۔ آئی پی سی کے مطابق غزہ میں چار لاکھ 90 ہزار سے زائد افراد بد ترین غذائی قحط سالی کا شکار ہیں، یعنی غزہ کے عوام انتہائی درجے کی غذائی قلت کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے اسرائیلی مشن کا کہنا ہے کہ ہم غزہ پٹی میں امدادی سامان کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے متعلقہ حکام سے مسلسل رابطے میں ہیں اور اس سلسلے میں حال ہی میں غزہ کو پانی فراہم کرنے والی لائنوں کے کنکشن کیے گئے۔

غزہ میں نسل کشی روکنے کے لیے حماس کی عالمی برادری سے اپیل

حماس نے غزہ کی پٹی میں اسرائیلی قابض فوج کے ہاتھوں نہتے فلسطینیوں کے قتل عام کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے عالمی برادری سے اپیل کی ہے کہ وہ غزہ میں جاری نسل کشی روکنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ حماس کی طرف سے جاری بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ عالمی برادری فلسطینیوں کی منظم نسل کشی روکنے کے لیے صہیونی دشمن پر دباؤ کے لیے احتجاجی مظاہرے کریں، جلوس اور ریلیاں نکالیں۔ ایک بیان میں حماس نے کہا کہ فاشسٹ دشمن کی جانب سے منگل کو غزہ کی پٹی کے جنوب میں خان یونس کے مشرق میں عبسان الکبیر قصبے میں العودہ اسکول میں قتل عام کیا گیا۔ وہاں بے گھر ہونے والے 29 سے زیادہ لوگوں کی شہادت ہوئی جن میں زیادہ تر بچے اور خواتین ہیں۔ سیا ایک وحشیانہ جنگی جرم اور فلسطینیوں کی نسل کشی کا بد ترین گھناؤنا فعل ہے۔ حماس اس جنگی جرم کی مذمت کرتے ہوئے عالمی برادری سے اس کے خلاف آواز اٹھانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ حماس نے اپنے بیان میں عرب ممالک، عالم اسلام کے عوام اور آزاد دنیا کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ غزہ کی پٹی میں نہتے فلسطینیوں کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ حماس نے کہا کہ غزہ کی پٹی میں رہائشی محلّوں اور نقل مکانی کے مراکز میں بے گناہ شہریوں کے خلاف صیہونی مجرم دشمن کی جارحیت میں اضافہ صیہونی دہشت گرد حکومت کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ اپنے جرائم کے نتائج کی پرواہ کیے بغیر قتل وغارت گری کی جنگ جاری رکھے ہوئے ہے۔ حماس نے مغربی کنارے میں موجود مزاحمت کاروں سے اپیل کی کہ وہ فلسطینیوں کی مدد اور حمایت کے تمام وسائل کو استعمال کریں دشمن کی جارحیت کا ہر ممکن مقابلہ کریں۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق غزہ پر قابض فوج کی مسلسل جارحیت کے نتیجے میں اب تک 38 ہزار سے زائد فلسطینی شہید اور 88 ہزار سے زائد افراد زخمی ہوئے ہیں۔

خیر و خبر

الجامعۃ السنیہ للبنات قمر کالونی گلبرگہ میں داعی اسلام علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری مصباحی کی آمد

(گلبرگہ کرناٹک،30 جون 2024ء)جماعت اہل سنت کی مایہ ناز شخصیت صاحبِ تصانیفِ کثیرہ حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری مصباحی اپنے صاحب زادے مولانا محمد عارف رضا نعمانی مصباحی کے ساتھ شہر گلبرگہ میں تشریف لائے تھے۔ان کے اعزاز میں شہر کے مختلف مقامات پر محافل منعقد ہوئیں۔30 جون بروز اتوار صبح کی ساعت میں الجامعۃ السنیۃ کے استاذ مولانا آصف جمال جمالی مصباحی (خلیفہ علامہ عبد المبین نعمانی صاحب) نے اپنے دولت خانے پر حضرت کے ساتھ مخصوص احباب کے ناشتے کا انتظام رکھا۔اس کے بعد الجامعۃ السنیہ للبنات میں حضرت کی آمد ہوئی،اساتذہ اور ارکان نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔استاذ الاساتذہ قاری اسد اللہ رشیدی استاد جامعہ سنیہ نے اپنے مخصوص لہجے میں تلاوت کلام مجید سے محفل کا آغاز فرمایا۔ مہمان خصوصی کے تعارف کے لیے مولانا افروز رضا مصباحی کھڑے ہوئے اور بہترین انداز میں علامہ نعمانی صاحب کی دینی، ملی، فلاحی، تدریسی، تعمیری اور تصنیفی خدمات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان کی اب تک مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد کتابیں منصہ شہود پر آچکی ہیں۔چار سو سے زائد علمی فکری اور اصلاحی مقالہ جات ملک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ترجمہ کنزالایمان کی تصحیح کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔علاوہ ازیں جو دینی و ملی تحریکیں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کام کر رہی ہیں، ان کی حوصلہ افزائی آپ کی ترجیحات میں سے ہے۔مولانا افروز مصباحی نے ادارے کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے شہر کا یہ قدیم ادارہ ہے جہاں سے اب تک سیکڑوں طالبات فارغ ہو چکی ہیں۔الحاج رئیس باغبان،الحاج نور محمد باغبان نے ذاتی زمین ادارے کے لیے وقف کر کے اس عالی شان بلڈنگ کی بنیاد رکھی۔تعارف کے بعد حضرت نعمانی صاحب نے طالبات و معلمات کو اپنے ناصحانہ کلمات سے نوازا۔طالبات کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:زمانہ پُرآشوب ہے،اپنا خیال رکھیں،پردے کو لازم جانیں،ایمان و عقیدے کی حفاظت از حد ضروری ہے،دینی تعلیم سے شعور بیدار ہوتا ہے۔یہ اچھی بات ہے کہ آپ دینی تعلیم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔دینی علم دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے۔دینی علوم کے ذریعہ ہی صحیح معنوں میں حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے اور کامیابی کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔

حضرت نعمانی صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:لڑکوں کی دینی تعلیم پر جتنی توجہ دی جاتی رہی،اتنی توجہ لڑکیوں کی طرف نہیں رہی،ایک زمانے تک اس حوالے ہمارے اندر غفلت تھی لیکن اب غفلت کا پردہ چاک ہو چکا ہے،قوم کی بچیوں کے لیے بھی دینی ادارے ہر جگہ قائم ہو رہے ہیں اور دینی شعور بیدار کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ گلبرگہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ لڑکیوں کے کئی ادارے ہیں جہاں دینی تعلیم دی جا رہی ہے۔مسلم لڑکیوں میں پھیل رہی برائیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:مسلم بچیاں بے راہ روی کی شکار ہو رہی ہیں،ان کے دین و ایمان کی سلامتی کی فکر کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ادارے کے اراکین اور معلّمین و معلمات کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں نے لڑکیوں کے دینی تعلیم کی طرف توجہ دی اور ان کے درمیان دینی تعلیم کی نشر و اشاعت کو یقینی بنا رہے ہیں۔مسلم بچیوں میں دینی علوم کی اشاعت موجودہ زمانے کا ایک اہم تقاضا ہے جسے آپ لوگ پورا کر رہے ہیں۔اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہیں اجر و جزا اللہ عزوجل بہتر دینے والا ہے۔

حضرت نعمانی صاحب نے اپنی چند مفید اور اصلاحی تصانیف مدرسے کو نذر کیں اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتے میں ایک دو دن ان کتابوں کے درس کا اہتمام بھی کیا جائے تاکہ طالبات بھی اسے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔مولانا افروز مصباحی نے اپنی تصنیف”فقیہ اسلام حیات و کارنامے“حضرت کی بارگاہ پیش کی۔اس موقع پر جامعہ کے اساتذہ مولانا غلام مصطفیٰ رضوی،مولانا محمد احمد علیمی، مولانا آصف جمال جمالی مصباحی۔صدر کمیٹی الحاج محمد مختار باغبان،الحاج محمد افتخار باغبان،محمد مجیب و دیگر حاضرین موجود تھے۔

از:**آصف جمال جمالی مصباحی**،دریاپور،چندولی(یوپی)

غزہ میں مسجد عثمان بن عفان کی شہادت پر دعا کا اہتمام

دو ٹانگی عید گاہ میدان،سنی مسجد بلال میں بعد نماز جمعہ،غزہ میں مسجد عثمان کی شہادت، مسجد اقصی کی بازیابی،اہل فلسطین کے تحفظ و کامیابی کے لیے ایک دعائیہ پروگرام کا اہتمام کیا گیا جس میں مصلیان مسجد کے علاوہ کافی لوگوں نے شرکت کی۔(باقی ص:55 پر)

خیابان حرم

نعت و منقبت

کب ہوش میں آیا کرتے ہیں

جب یاد محمد کو اپنے سینے میں بسایا کرتے ہیں تاریک
دلوں میں اہلِ وفا اک نور سا پایا کرتے ہیں

محبوب خدا کی آمد سے ہر ایک روش ہر گلشن میں
کھل کھل کے شگوفے رحمت کے انوار لٹایا کرتے ہیں

تحمید خدا توصیف نبی تسبیح و ثنا تعظیم نبی
میلاد نبی کی محفل میں عشاق سنایا کرتے ہیں

بوجہل سے کافر کی مٹھی اس بات کی خود ہی شاہد ہے
سرکار دو عالم کلمۂ حق کنکر سے پڑھایا کرتے ہیں

ان اہل محبت پر ہر دم انوار کی بارش ہوتی ہے
جو جشن رسول اعظم کا دنیا میں منایا کرتے ہیں

پیتے ہیں وحیدؔ اک بار بھی جو صہبائے محبت آقا کی
وہ ساقی کوثر کے مے کش کب ہوش میں آیا کرتے ہیں

از قلم: **عبد الوحید**

ارثِ محبوبِ خدا ہے جرأتِ ابنِ علی

فرش تا عرشِ بریں ہے شہرتِ ابنِ علی
بجتی ہے دونوں جہاں میں نوبتِ ابنِ علی

یاد ہے طولانی سجدہ آج تک تاریخ کو
کوئی پوچھے مصطفیٰ سے وقعتِ ابنِ علی

کلمۂ ابناءنا سے صاف ظاہر ہو گیا
ہیں دلیلِ وحدتِ حق حضرتِ ابنِ علی

ہم سے کچھ اجرت نہیں مانگی رسول اللہ نے
ہاں مگر حبِ اقارب، الفتِ ابنِ علی

رکھتے تھے اپنے کلیجے سے لگا کر رات دن
تھی نہ آقا کو گوارا فرقتِ ابنِ علی

بازوئے ابنِ علی میں قوتِ سرکار ہے
ارثِ محبوبِ خدا ہے جرأتِ ابنِ علی

ہر نیا سال آئے گا نام ان کا ہی لیتے ہوئے
کم نہ ہوگی تاقیامت عزتِ ابنِ علی

وار کرتا ہے علی کے شیر پر وہ پشت سے
چھائی ہے روباہ دل پر ہیبتِ ابنِ علی

بر سرِ نیزہ ہے سر، لب پر ہے قرآنِ مبیں
دیکھ لے اے چشمِ عالم قدرتِ ابنِ علی

ہے انھی کی پیاس کے صدقے میسر آج تک
پی رہی ہے ساری دنیا شربتِ ابنِ علی

سرخیِ خونِ شہیداں آج تک ہے ریت میں
کربلا میں آج تک ہے صبغتِ ابنِ علی

پورا ہوگا مدعا مہتابؔ مر جانے کے بعد
حشر میں دیکھیں گے ہم بھی صورتِ ابنِ علی

از قلم: **مہتاب پیامی**

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

JULY-2024

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN